محدث



76



مجلس التحقیق الاسلامی گارڈن ٹاؤن ۰ لاہور

مدیر اعلیٰ

حافظ عبدالرحمن مدنی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا - کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہاہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے زرِ سالانہ: ۲۰۰روپے بیرون ملک: ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476 موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com __ www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تورہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ **محدّث** لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

محدث

لاہور

جلد ۹	رجب و شعبان ۱۳۹۹ھ	عدد ۷، ۸

فہرست مضامین

ناشر: حافظ عبدالرحمٰن مدنی   طابع: چوہدری رشید احمد   مطبع: مکتبہ جدید پریس۔ ۴ شارع فاطمہ جناح لاہور

زر سالانہ -/۱۵ روپے   فی پرچہ -/۲ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر

تعلیم میں نظریاتی لگن کا بنیادی کردار

مقالہ نگار یہ سیدھا سادہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ تعلیمی جہاد کے کسی محاذ پر بھی نظریاتی لگن کے بغیر مثبت نتائج کی آس لگائے رکھنا جنت الحمقاء میں بسنے کے مترادف ہے۔ نظریاتی لگن کا واضح شعور اور اس کی پیہم تعمیل تعلیمی دنیا کے تمام مدارج کے لیے ضروری ہے تعلیمی قیادت کے فکر و عمل پر اس کی واضح چھاپ تو قطعی لازمی ہے۔ پاکستان کی تعلیمی تاریخ کے مختلف ادوار کا تجزیاتی حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر رؤف یہ تلخ حقیقت مزید واضح کرتے ہیں کہ زمانۂ تعلیم میں سطحیت، بے اعتنائی، نا اہلی، یبوست، بدعنوانی، ضیاع اور ناکامی کے غلغلہ کا بنیادی سبب نظریاتی لگن کا مایوس کن فقدان ہے۔ اس افسوسناک صورتِ حال سے نہ صرف تعلیم اپنے اساسی مقصد میں بری طرح ناکام ہوئی بلکہ ملی معیشت و معاشرت کے تمام شعبے بھی جمود و بحران کا شکار رہتے ہیں۔

نظریاتی لگن سے عاری تعلیم کی تاریکیاں

ماضی کی لغزشوں کے اعادہ سے اجتناب اور بے مقصدیت کے بھنور سے نجات کے لیے

مقالہ نگار نے نظریاتی لگن کے باضابطہ احیاء اور موثر فروغ کو مقدم قرار دیا ہے۔ ماضی میں نظریاتی لگن سے معمور تعلیمی کارکنوں سے زیادتی ہوئی یا انہیں نظر انداز کیا جاتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کئی اچھے بھلوں نے بھی موقع پرستی کو شعار بنا لیا۔ متعدد "دانشور" تو نظریاتی ارتداد کی بھول بھلیوں میں بھی بھٹک گئے۔ چنانچہ دنیائے تعلیم پر رفتہ رفتہ بعض ایسے تہی مغزوں کا تسلط ہوتا چلا گیا جو یا تو نظریاتی حرارت سے قطعی محروم تھے یا حق کے لیے ڈٹ جانے کی جسارت

سے یکسر عاری۔ اس سے تعلیم و تہذیب میں خصوصاً اور ملی معیشت و معاشرت میں عموماً جو ہنگامے بپا ہوئے اُن کی گوناگوں تاریکیاں آج ہم سب کے لیے باعثِ کرب و اضطراب ہیں۔

ملی تعلیمی پالیسی میں نظریاتی لگن کی اوّلیت

ملی تعلیمی پالیسی کے منفرد محاسن پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر رؤف اس امر پہ اظہارِ مسرت کرتے ہیں کہ تعلیمی تاریخ میں پہلی بار نظریاتی لگن کو غیر مبہم انداز میں اوّلیت دی گئی ہے۔ اس لیے اگر ہم اپنے نئے خوابوں کی تکمیل کے واقعی متمنی ہوں تو نظریاتی تطہیر و ترویج اور ملی تعمیرِ نو کے اس سنہری موقع سے حتمی استفادہ ضروری ہے۔

نظریاتی لگن کیلئے فروغ کے عملی اقدام

تعلیمی دُنیا کی بنیادی علتوں اور قباحتوں کے مؤثر علاج و انسداد کے لیے حساس مقالہ نگار نے جو قدرے غیر روایتی نسخہ تجویز کیا ہے اس کے اجزاء کچھ اس رنگ کے ہیں:۔

۱۔ تعلیم و تدریس میں نظریاتی شعور سے عاری کارکنوں کی فوری تطہیر۔

۲۔ نظریاتی لگن سے معمور تعلیمی کارکنوں کی صلاحیتوں سے مؤثر استفادہ۔

۳۔ دنیائے تعلیم کی تمام سطوح میں نظریاتی لگن کے حقیقی فروغ کے لیے عملی اقدام۔

۴۔ تمام تعلیمی افراد اور اداروں میں نظریاتی صحت و توازن کی دیکھ بھال کا مناسب اہتمام۔

۵۔ نظریاتی لگن کی ترویج کے لیے خیال انگیز تصانیف، دستاویزی فلموں اور بامقصد نشریات کی اشاعت۔

۶۔ نظریاتی لگن کے مختلف پہلوؤں پر ٹھوس تحقیق کے لیے ادارۂ تعلیم و تحقیق جامعہ پنجاب میں ایک منظم مرکز کا قیام۔

(ادارہ)

نظریاتی لگن کی ضرورت اور افادیت

کسی تعلیمی منصوبہ کی معقول تشکیل اور مؤثر تعمیل میں نظریاتی لگن اساسی کردار ادا کرتی ہے۔ تعلیم سے متعلق افراد کی تمام سطوح میں نظریاتی حرارت باعث رحمت ہے اگر تعلیمی سیادت کے فکر و عمل پر اس کی واضح چھاپ تو قطعی لازمی ہے۔ نظریاتی لگن پورے رشد و مدسے برسرِ عمل ہو تو ملت کا مستقبل درخشاں ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اس لگن میں سقم، تقلیل یا فقدان

نہ صرف تعلیمی دیئے ہی گُل کر دیتی ہے بلکہ ملّی معیشت و معاشرت کے تمام شعبے بھی ویران ہو جاتے ہیں۔

مایوس کن تاریخی پس منظر

یہ امر باعثِ ملال ہے کہ ماضی میں نظریاتی عنصر بُری طرح نظر انداز ہوتا رہا۔ نظریاتی اداروں سے بے رُخی برتی گئی۔ نظریاتی قدروں کو پامال کیا گیا، نظریاتی لگن سے سرشار تعلیمی کارکنوں سے زیادتی ہوتی رہی، اُن کی دل شکنی کی گئی، انہیں نظر انداز کیا جاتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کئی اچھے بھلوں نے بھی تنگ آ کر موقع پرستی کو شعار بنا لیا۔ متعدد "دانشور" تو نظریاتی ارتداد کی بھول بھلیوں میں بھی بھٹک گئے۔ چنانچہ کرنبائے تعلیم پر رفتہ رفتہ بعض ایسے تہی مغزوں کا غلبہ ہوتا چلا گیا جو یا تو نظریاتی حرارت سے قطعی محروم تھے یا حق کے لیے ڈٹ جانے کی جسارت سے یکسر عاری۔ اس سے تعلیم و تہذیب میں خصوصاً اور ملّی زندگی میں عموماً جو ہنگامے بپا ہوئے اُن کی گوناگوں تاریکیاں آج ہم سب کے لیے باعث ندامت و اضطراب ہیں۔

نظریاتی گمراہی کے بھیانک عواقب

دراصل تعلیمی قیادت میں نظریاتی قحط ہی کے سبب ہماری تعلیم و تہذیب بے اعتنائی، موقع پرستی، نااہلی، منافقت، ضیاع اور بدعنوانی کی دلدلوں میں دھنستی چلی گئی۔ سراسر کھوکھلا ہونے کی وجہ سے ہمارا بے جان نظامِ تعلیم طلبہ کے رُوح و قلب کو گرمانے اور تعمیر و تخلیق کے دیئے جلانے میں قطعی ناکام ہوا۔ اس صورتِ حال نے مثبت اور انقلابی درس و تدریس ہی کے راستے مسدود نہ کیے بلکہ ملّی معیشت و معاشرت کی تعمیر نَو کے دروازے بھی مقفل کر دیے۔ بے مقصد نصاب، بدرنگ درسی کتب، ناقص طریقِ تدریس، عدم ضبط و نظم، جذباتی گروہ بندیاں اور تحقیق و تخلیق کا کباڑہ ہماری درس گاہوں کو دیمک کی طرح چاٹتا گیا۔ تعلیمی تنزل سے مجرمانہ اغماض کا ایک عمومی نتیجہ یہ مرتب ہوا کہ ملّی زندگی کے تمام شعبے بحرانوں اور المیوں کی بھینٹ چڑھتے چلے گئے۔

ہمارا مسموم تعلیمی ورثہ

ادوارِ ماضی میں جو افراد تعلیمی نشوو ارتقاء میں سدِّ راہ بنے ان میں کچھ اس قسم کے حضرات سرِ فہرست بتائے جاتے ہیں:-

ا۔ مختلف تدریسی اور انتظامی سطوح کے بعض ایسے کارندے جو نظریاتی شعور سے قطعی عاری تھے۔

ب۔ بظاہر بھلے چنگے تعلیمی کارکن جن میں نظریاتی شعور برائے نام موجود تھا۔

ج۔ سیاسی موسم کے حسبِ حال ہر لحظہ نئی کروٹ بدلنے والے عیار، موقع پرست۔

د۔ بدلیشی نظریاتی فلسفوں کے کوتاہ بین پرستار۔

حقیقی نظریاتی لگن سے سرشار تعلیمی کارکنوں کے وجود سے انکار نہیں۔ ایسے بچے کھچے سر پھرے اب بھی چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، مگر مناسب تحریک و تحفظ کے فقدان کی وجہ سے اس قسم کے متعدد افراد گوشۂ گمنامی میں پڑے ہیں۔ بسا اوقات حساس طبقوں کو یہ اندیشہ بھی ستاتا ہے کہ اگر خدانخواستہ تخلیقی کارکنوں کا یہ مخلص طبقہ بھی مزید تغافل کا شکار رہا یا یہ لوگ بھی موقع پرستوں کے بے پناہ ہجوم میں شامل ہو گئے تو مکتب اور زندگی کے بچاؤ کی رہی سہی آس بھی جاتی رہے گی۔ ملی تعلیمی پالیسی نے پہلی بار نظریاتی لگن کو غیر مبہم انداز میں اولیت دی ہے۔ بجا ہے کہ اس موثق تحفظ سے مذکورہ بالا قسم کے خدشوں کے پنپنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ تاہم یہ امر بدیہی ہے کہ اگر ہم اپنے خوابوں کی تعبیر کے واقعی متمنی ہوں تو تعلیمی لگن کی بالادستی کو عملی صورت دیے بغیر چارہ نہیں۔

علاج و انسداد کے لیے چند تجاویز

اس مقالے کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اگر ہم اپنے تعلیمی نظام میں نظریاتی لگن کو واقعی اولیت دیتے ہیں تو اس کے لیے متعلقہ اقدامات میں مزید تامل و التواء خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لیے تعلیمی دنیا کی نظریاتی صورتِ حال میں صحیح استحکام کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز پر فوری غور ضروری ہے:۔

۱۔ تعلیم و تدریس میں نظریاتی شعور سے عاری کارندوں کی فوری تطہیر۔

۲۔ نظریاتی لگن سے معمور تعلیمی کارکنوں کی صلاحیتوں سے مؤثر استفادہ۔

۳۔ دنیائے تعلیم کی تمام سطوح میں نظریاتی لگن کے حقیقی فروغ کے لیے عملی اقدام۔

۴۔ تمام تعلیمی افراد اور اداروں میں نظریاتی صحت و توازن کی دیکھ بھال کا معقول اہتمام۔

۵۔ نظریاتی لگن کی ترویج کے لیے خیال انگیز تصانیف، معلومات افزا دستاویزی فلموں وار بامقصد نشریات کی باضابطہ اشاعت۔

۶۔ نظریاتی لگن کے مختلف پہلوؤں پر ٹھوس تحقیق کے لیے ایک منظم مرکز کا قیام۔

۱۔ نظریاتی شعور سے عاری تعلیمی کارندوں کی تطہیر

ان تمام تعلیمی کارندوں کی تطہیر ضروری ہے جو یا تو

نظریاتی شعور سے قطعی عاری ہیں یا گمراہ کن نظریاتی فلسفوں کے مقلد ہیں۔ ایسے تہی مغزوں کو مالی نقصان سے بچانے کے لیے انہیں تعلیم کی بجائے اس قسم کے محکموں میں متعین کرنے پر غور کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً محکمہ امور حیوانات، بناسپتی گھی بورڈ، شعبہ مرغبانی، محکمہ خاندانی منصوبہ بندی وغیرہ۔

۲۔ نظریاتی لگن سے سرشار کارکنوں کا معقول استعمال

نظریاتی لگن سے معمور اس بچی کھچی تعلیمی تربیت افراد کی نشاندہی اور اس کا مؤثر استعمال ضروری ہے، جو دستبرد زمانہ سے محفوظ رہی ہے۔ نظریاتی لگن کے فروغ اور ملی تعلیمی پالیسی کے انقلابی اغراض کی تکمیل کے لیے ان نظر انداز شدہ تعلیمی کارکنوں کی تخلیقی صلاحیتوں سے فوری استفادہ بے حد ضروری ہے۔

۳۔ نظریاتی لگن کے فروغِ عام کے لیے مؤثر اقدام

نظریاتی شعور کے فروغ کا معاملہ تغافل کا شکار رہا یا جذباتیت میں الجھا رہا۔ تعلیمی کارکن جہاں کہیں بھی کام کرتے ہوں انہیں اس اساسی حقیقت سے واضح طور پر روشناس کرانا اشد ضروری ہے کہ ان کے ذاتی فکر و عمل اور فنی مشاغل میں نظریاتی لگن کا مثبت اور نمایاں اظہار قطعی لازمی ہے۔

۴۔ نظریاتی صحت کی مناسب دیکھ بھال

تعلیمی دنیا کے تمام افراد اور اداروں میں نظریاتی صحت و توازن کی چھان پھٹک اور دیکھ بھال کا مناسب اہتمام بھی ضروری ہے۔ اس سے نظریاتی ابہام اور بے یقینی کے مریضوں کے بروقت علاج کے امکان روشن ہو جائیں گے۔

۵۔ نظریاتی تصانیف، فلموں اور نشریات کی اشاعت

مختلف ذہنی سطوح کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے مؤثر قسم کی نظریاتی کتب کی تصنیف و اشاعت ہونی چاہیے۔ اسی طرح نظریاتی فلموں اور نظریاتی نشریوں کی اشاعت کا اہتمام بھی ضروری ہے۔

۶۔ نظریاتی تحقیق کے لیے منظم مرکز کا قیام

نظریاتی لگن کے مختلف پہلوؤں پر ٹھوس تحقیق کے لیے ایک منظم مرکز کا قیام بھی ضروری ہے۔ مجوزہ تحقیقی مرکز کے لیے موزوں ترین مقام ادارہ تعلیم و تحقیق، جامعہ پنجاب ہے۔

بقاء اور احیاء کا منطقی لازمہ

نظریاتی نشاۃ ثانیہ کی ابھرتی ہوئی تحریک کو مثبت و مؤثر سمتیں دینے کے لیے دُنیائے تعلیم و تہذیب میں اس قسم کے اقدامات ناگزیر ہیں ۔ اس حقیقت کو دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ نظریاتی لگن کے بغیر تعلیم اور زندگی میں تعمیر و تخلیق کی آس لگائے رکھنا جنت الحمقاء میں بسنے کے مترادف ہے ۔ اس لیے اگر ہم ایک نظریاتی مملکت کی حیثیت سے اپنی بقاء اور احیاء کے واقعی خواہشمند ہوں تو ان تمام تعمیری اطراف کی جانب بلا تامل پیش رفت لازمی ہے جو کلی تعلیمی پالیسی میں نظریاتی لگن کو اولیت دینے کا منطقی نتیجہ ہیں ۔

(ڈاکٹر عبد الرؤف)

یہ زندگی تری، تجھے شرم و حیا نہیں

عبد الرحمان عاجز مالیر کوٹلوی

مقصودِ زیست سے جو بشر آشنا نہیں ۔۔۔ وہ نام کا بشر ہے مگر کام کا نہیں
انسان معاملات میں جو بھی کھرا نہیں ۔۔۔ وہ لاکھ پارسا ہو مگر پارسا نہیں
جو اپنی مشکلات بھی خود حل نہ کر سکے ۔۔۔ وہ کوئی ہو کسی کا بھی مشکل کشا نہیں
مکر و فریب، بادہ و ساغر، سرود و رقص ۔۔۔ یہ زندگی تری، تجھے شرم و حیا نہیں
لایا ہے کون اُن کو عدم سے وجود میں ۔۔۔ جو لوگ کہہ رہے ہیں وجودِ خدا نہیں
اللہ کا کرم ہے کہ اللہ کے سوا ۔۔۔ یہ سر کسی کے سامنے اب تک جھکا نہیں
مستِ مئے نشاط جو رہتا ہو رات دن ۔۔۔ اک راہ زن ہے قوم کا وہ راہنما نہیں
گھبرا نہ اے مریض، خدا پر نگاہ رکھ ۔۔۔ ایسا کوئی مرض نہیں جس کی دوا نہیں
دُکھ ہو، کہ سُکھ تو مرضیٔ مولا پہ سر جُھکا ۔۔۔ مومن نہیں جو پیکرِ صبر و رضا نہیں
اُس سے کسی بھی فائدے کی آس رکھ نہ تُو ۔۔۔ سینے میں جس کے دل تو ہے خوفِ خدا نہیں
تو سامنے رہے مرے میں سامنے ترے ۔۔۔ اِس کے سوا کوئی بھی مرا مُدعا نہیں

وہ جا رہا ہے محفل دُنیا سے دوستو
عاجز کو رنگِ محفلِ دُنیا جچا نہیں

دار الافتاء

عزیز زبیدی۔ واربرٹن

مساواتِ محمدی اور سوشلزم۔ امیر اور غریب کا اسلامی تصور

مندرجہ ذیل امور کا جواب عنایت فرمادیں۔

۱۔ "مساوات محمدی" کے معنی میں "سوشلزم" کی اصطلاح قبول کر لینے میں کیا حرج ہے؟

۲۔ کیا اسلام میں "امیر اور غریب" کا کوئی جائز تصور پایا جاتا ہے، اگر جواب "ہاں" میں ہے تو دنیا میں یہ پنپنے کے قابل کیسے ہو سکتا ہے؟ (ایک سائل۔ گوجرانوالہ)

الجواب

مساواتِ محمدی اور سوشلزم

سوشلزم صرف علمی اصطلاح ہوتی تو شاید سوال کرنے کے لیے کوئی گنجائش نکل آتی لیکن کیا کیا جائے کہ یہ ایک "ازم"، نظریہ اور ایک "ذہن" کا نام ہے، جس میں یہ ضروری ہے کہ اس موضوع پر غور کرتے وقت، خدا اور رسول کا احساس دل اور دماغ سے نکال دیا جائے۔ صرف پیٹ کی بات، پیٹ سے پوچھی جائے، پیٹ بھی صرف مزدور کے پیٹ کی بات کی جائے، پیٹ بھی ایسا جس میں طبقاتی انتقام کی گیس بھری ہو —— اس سوشلزم کے بھوت نے نوع انسانی کو فرقہ وارانہ اور طبقاتی پس منظر کے حوالے کر کے انسانی برادری کی وحدت اور ائتلاف کے امکانات کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اس کے علاوہ ابن آدم کو ایک ایسی شتر کینہ جنس بنا ڈالا ہے جس نے معاشی لحاظ سے اپنے مختلف بھائی کو برداشت کرنے کے قابل نہیں رہنے دیا، جو آدم مسجود ملائکہ تھا اسے ایک جانور بنا کر آدمیت کے شرف سے اسے محروم کر دیا ہے —— ایسی بدنام، انسان دشمن اور حیوان دوست اصطلاح کو "مساوات محمدی" کے معنی میں لینا دراصل "محمدیت نافہمی" کی ایک بدترین مثال ہے۔ سوشلزم کو محمد عربی فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک معاشی دستور العمل کے معنی میں استعمال کرنا صرف اس مسلم کے لیے ممکن ہے، جو مرعوب اور "بے غیرت" ہے اور خبیث اور طیب میں امتیاز کرنے کی حس سے بالکلیہ محروم ہے۔ دراصل سب سے پہلے مزدک کی چوطا" سوشلزم کی سنڈھ کی جڑ دریافت کر لایا تھا تاکہ ایسا حدود فراموش معاشرہ پیدا ہو جائے جہاں حدود اور نظم کے نام کی کوئی شے باقی نہ رہے، کمائی ہو یا بیوی، وہ سب کی ہو، کمائی کسی کی بھی

برائی نہ ہے اور دنیا سے ماں بیٹی اور بہن کے نام کی کوئی چیز نظر نہ آئے، سب بیوی دار ہوں اور سب کی بیوی ہوں۔ اس کے بعد ہیگل اور مارکس نے اس کو زندہ کیا۔ مگر مار کھا گئے۔ آخر ایک ریلا ایسا آیا کہ اسی قماش کا ایک گروہ ایک وقت ایک جگہ اقتدار پر براجمان ہو گیا۔ مگر اس نے سوچا کہ عوام اب پھر ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے نہ پڑ جائیں۔ اس لیے اُن میں سے نادار طبقہ کو اپنے خوشحال بھائیوں کی راہ دکھا دی تاکہ وہ آپس میں اُلجھ کر حکمران گروہ سے غافل ہو جائیں۔ یہ اب مساوات کے نام پر ایک دوسرے کا ہی گلا کاٹیں۔ چنانچہ اب یہ تجربہ کچھ ایسا کامیاب رہا ہے کہ اب مساوات کی ترازو کا رُخ حکمرانوں کی عدم مساوات کی طرف نہیں پھرتا بلکہ وہ باہم ناپتے، تولتے اور اُلجھتے رہتے ہیں۔ حکمران جو عدم مساوات کے اصل موجد ہیں۔ وہ درمیان سے یوں نکل گئے ہیں جیسے آٹے سے بال۔ جس دن عوام کو یہ بات سمجھ میں آگئی، مساوات کا اصل بنیادی مسئلہ اس دن ہی حل ہوگا پہلے نہیں اور بالکل نہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم اس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔ گویا کہ سوشلزم کی مساوات کو اقتدار کے حصول کے لیے انہوں نے زینہ بنا رکھا ہے جب اس پر فائز ہو جاتے ہیں تو یہ اسی کے نام پر اپنی کرسی کا تحفظ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سوشلزم کی تحریک حکمران ٹولہ چلاتا ہے یا وہ جو اس نعرے کے ذریعے اقتدار کے لیے کوشاں ہے۔ بہر حال اپنے اس پس منظر کی وجہ سے یہ اتنی قبیح تلمیح بن گئی ہے کہ اب اس کا نام ہی ایک گالی بن گیا ہے۔ حق تعالیٰ نے ان متجددین سے کیا خوب فرمایا ہے۔

اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (پ۔ الاعراف ع)

"کیا تم مجھ سے (ان تراشیدہ) ناموں (کے بارے) میں جھگڑتے ہو جن کے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نام گھڑ رکھے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی کوئی سند اور دلیل نہیں اُتاری۔"

نام تعارفی شے ہے اور کچھ ایسے نام بھی ہوتے ہیں جو تعارفی کے ساتھ ایک پس منظر کے لیے تلمیح کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ اس لیے ایسے ناموں اور اصطلاحات سے اجتناب کرنا دینی فریضہ ہوتا ہے۔ جو حقائق دینیہ کی روح سے متصادم ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ ان سے التباس کا امکان قوی ہو جاتا ہے اور اس سلسلے میں ان سے جتنی اور جیسی کچھ "اجنبیت" مطلوب ہوتی ہے۔ اس کا رنگ بھی پھیکا پڑ جاتا ہے۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دور میں اس سے منع فرمایا تھا کہ کوئی شخص آپ کا نام اور کنیت ایک ساتھ اختیار کرے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی ان یجمع احد بین اسمہ وکنیتہ ویسمی محمدا ابا القاسم رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔

کیونکہ اس صورت میں التباس ممکن ہوتا ہے۔ اس لیے سوشلزم بول کر مساوات محمدی مراد لینا یا مساوات محمدی بول کر سوشلزم مراد لینا شرعاً ممنوع ہے۔ خاص کر وہ نام جو روحِ اسلام کے منافی تلمیح کے حامل ہیں، حضورؐ ان کو بالکل برداشت نہیں کیا کرتے تھے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر اسم عاصیۃ وقال انت جمیلۃ

رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن غریب۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ کے ایک بھتیجا ہوا، انہوں نے اس کا نام "ولید" رکھا آپ نے فرمایا، اپنے فرعون کے نام پر اس کا نام رکھا ہے تاکہ اس امت میں ایک شخص ایسا بھی ہو جسے ولید کہا جاتے۔ فرعون اپنی قوم میں جس طرح سب سے بدتھا اس سے کہیں بڑھ کر یہ ولید ہے جو اس امت میں سب سے بدتر ہے۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال ولد لاخی ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم غلام فسموہ الولید فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمیتموہ باسم فراعنتکم لیکونن فی ھذہ الامۃ رجل یقال لہ الولید ھو شر ھذہ الامۃ من فرعون لقومہ رواہ احمد وفیہ انقطاع لان سعید بن المسیب لم یدرک عمرؓ۔

امیر و غریب کا فرق

رزق میں جو فرق ہے ایک حد تک وہ قدرتی ہے، ازلی ہے اور ابدی ہے۔

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ (پ ۱۴-النحل ع ۱۰)

اللہ تعالیٰ نے ہی تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فوقیت (برتری) دی ہے"۔

مخلوق ساری اللہ کی مخلوق ہے، وہ جیسے چاہے کر سکتا ہے، بھلا وہ اپنی الوہیت اور اختیارات میں دوسرے کسی کو کاہے کے لیے شریک بناتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے فرمایا: تمہارے نوکر چاکر، خدام اور غلام ہوتے ہیں۔ اب ایسا تو کوئی نہیں کرتا کہ جن کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اس کو اپنے نوکروں، چاکروں اور غلاموں میں برابر بانٹ دیں کہ اس میں وہ ان کے برابر شریک ہوں۔

فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِھِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَھُمْ فِیْہِ سَوَآءٌ ط (پ ۱۴ - النحل ع ۱۰)

"تو جن کو زیادہ (روزی) دی گئی ہے (وہ) اپنی روزی لوٹا کر اپنے زیر دستوں (غلاموں نوکروں) کو نہیں دے دیا کرتے کہ روزی میں ان (سب) کا حصہ برابر ہو۔"

سورۂ روم میں اس سے بھی اور وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ (پ ۲۱- الروم ع ۴)

"وہ تمہارے (سمجھنے کے) لیے تم ہی میں کی ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ جن (غلام) کے تم مالک ہو ان میں سے اس (روزی) میں جو ہم نے تم کو دے رکھی ہے۔ کوئی (بھی) تمہارے شریک ہیں کہ تم (اور وہ) اس (روزی) میں برابر کا حق رکھتے۔ (اور) تم ان کی (ایسی ہی) پروا کرتے ہو جیسی کہ تم اپنی پروا کرتے ہو۔"

ظاہر ہے کہ نہ تم اپنے جیسی ان کو خوراک دیتے ہو نہ اپنی جیسی اُن کی دیکھ بھال کرتے ہو۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ: دنیا کا انتظام اختلاف حالت پر مبنی ہے۔ اگر سب آدمی سب باتوں میں یکساں ہوں تو کیوں کوئی حاکم ہو اور کوئی محکوم اور کیوں کوئی محتاج ہو اور کوئی محتاج الیہ کیوں کوئی کثیر الاولاد ہو اور کوئی بے اولاد۔ کیوں کوئی مالک مکان ہو اور کوئی کرایہ دار، لیکن جس طرح یہ اختلاف حالت خدا کے کرنے سے ہے اسی طرح اس اختلاف کا دنیا میں قائم رکھنا خدا کے انتظام سے ہے۔"

یہ تو ہے روزی میں تفاوت کا ایک پہلو، دوسرا پہلو غرباکی غربت کا ہے کہ اس کا کیا علاج ہے؟ زبانی کلامی دنیا خواہ کچھ کہے لیکن عملاً ان معترضوں کے ہاں بھی وہی کچھ ہو رہا ہے، جس بات کو انہوں نے اپنی جولانیوں کے لیے بطور پیٹرول کے ہدف بنا رکھا ہے۔ کیونکہ جو وسائلِ زلیست کو سیجن، اندرا اور چاؤنا کے حکام اور وزرا کو حاصل ہیں وہ یقیناً دوسرے عوام کو یکساں حاصل نہیں ہیں، تو معلوم ہوا اصل جھگڑا اس میں نہیں کہ تفاوت کیوں ہے؟ کیونکہ یہ تفاوت خود ان کے ہاں بھی موجود ہے بلکہ سوشلسٹ سیاسی شاطروں نے محض اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے اسے ناحق مسئلہ بنا لیا ہے لیکن اس کے باوجود صحیح رُخ پر بھی اختیار نہیں کیا گیا، کیونکہ اب بات یوں بن گئی ہے کہ: دوسرے کے پاس زیادہ کیوں ہے؟ حالانکہ سوچنا یہ چاہیے تھا کہ: جو بدنصیب بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہیں ان کو اپنے پیروں پر کیسے کھڑا کیا جائے۔ ہمارے نزدیک یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جس سے اسلامیہ جمہوریہ دلچسپی رکھتی ہے اور رکھ سکتی ہے۔ اس کے سامنے یہ بات نہیں ہوتی کہ: دوسرے کے پاس زیادہ کیوں ہے، کیونکہ یہ کوئی گناہ اور اخلاقی جرم نہیں ہے اور

کبھی کسی زمانہ میں یہ جرم نہیں رہا۔ ہاں جن دیانت دار رہنماؤں نے کبھی اس مسئلہ کی طرف توجہ دی ہے۔ انہوں نے مفلوک الحال طبقہ کو تھامنے کی تدبیر تو سوچی ہے۔ لیکن خوشحال طبقہ کو ختم کرنے کی ختم کرنے کی حماقت نہیں کی۔ اگر دنیا صرف اس پہلو پر نظر رکھ کر نادار طبقہ کو تھامنے کی کوشش کرتی تو یقین کیجیے کہ آج سے صدیوں پہلے یہ رونا ختم ہو چکا ہوتا۔ مگر ہوا یہ ہے اس سے "غریبوں کی غربت اور مصائب کا کاروبار تو کیا ہے ان کا مداوا نہیں کیا۔ کیونکہ ہر جگہ مزدور کی حالت اب بھی وہی ہے جو ان ہمدردوں کے آنے سے پہلے تھی۔ مگر مزدور اور غریب بھولا ہے اُن کی چالوں کو نہیں سمجھ سکا۔ ورنہ کبھی گھر میں بیٹھ کر یہ تو سوچتا کہ جو صاحب میرے استحصال کا رونا رو رہے ہیں یا میری بپتا پر آنسو بہا رہے ہیں آخر وہ بھی ہماری قسمت کے والی بنے ہی رہے ہیں۔ آخر اپنے دَور میں انہوں نے وہ کسر کیوں نہ پوری کی جس کا واسطہ دے کر انہوں نے ہمارا تعاون حاصل کیا تھا؟ یہ ایک دفعہ نہیں ہر بار یہی تماشا رچایا گیا ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے نعروں میں سچے ہیں تو اُن کو سوچنا چاہیے کہ ابھی تک وہ "زبوں حال" کیوں ہیں! اس کے تو یہی معنے بنیں گے کہ: انہوں نے بھی حسبِ سابق "مزدور کا کاروبار ہی کیا ہے ورنہ ان "نعرہ بازوں" کی مسیحائی سے ہمارا کچھ بن ہی گیا ہوتا۔

بہرحال ہمارے نزدیک اس کا صحیح حل یہ ہے کہ یہ نہ دیکھا جائے کہ: دوسروں کے پاس زیادہ کیوں ہے۔ بلکہ یہ سوچا جائے کہ ان غرباء کو کیونکر تھاما جائے۔ بس اسلامی حکومت اسی بات کی ذمہ داری لیتی ہے کہ، کوئی شخص اپنی پوری مساعی جمیلہ کے باوجود اگر خود کفیل نہیں ہو سکا تو اُس کی کمی پوری کی جائے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دَورِ حکومت میں یہ سب کچھ ہوا اور پوری اسلامی ریاست میں ہوا۔ ملاحظہ ہو کتاب الخراج لابی یوسف اگر کوئی شخص معذور ہو گیا ہو اور اس کا کوئی پرسانِ حال نہ ہو تو سرکاری خزانہ سے اس کے لیے وہ ایک خادم بھی مہیا کر دیا کرتے تھے (الفاروق ص ۲۹۵/۲)

الغرض امیر و غریب کا فرق جس قدر قدرتی ہے، وہ تو بالکل لاینحل ہے اور جس حد تک ایک غریب کی دستگیری کی بات ہے اسلامی حکومت اس کی جواب دہ ہے۔ لیکن یہ تصور کہ: دوسرے کے پاس ایک غریب سے زیادہ کیوں ہے ایک احمق سوشلسٹ کی بات تو ہو سکتی ہے۔ عقل و ہوش کی بات نہیں ہو سکتی اور نہ اُسے عملی جامہ پہنانا کسی کے بس میں ہے۔ اگر سوشلسٹ ممالک بھی اس کی کوئی مثال پیش کر سکیں تو ہم اُس کا مطالعہ ضرور کریں گے "لیکن حقیقی مساوات" کہ کسی کے پاس دوسرے سے زائد نہ ہو، قطعاً ناقابلِ عمل اور احمقانہ تصور ہے۔ کسی بھی ملک اور قوم میں ایسی یکسانیت ناممکن ہے، کھانا پینا، پہننا اور رہنا سہنا سب مختلف ہیں۔

نہ سب ایک جیسا اور ایک جتنا کھاتے ہیں اور نہ ایک جیسا اور نہ ایک جتنا پہنتے ہیں۔ نہ سب کے پاس ایک جیسا مکان ہے اور نہ ایک جیسے سفر اور سفری سہولتیں ہیں۔ نہ سب کے پاس یکساں علاج ہے اور نہ ایک جیسی اور ایک جتنی دوا —— جب خود مدعیوں کے پاس یہ سبھی کچھ موجود نہ تھا تو دوسرے کسی مسلمان ملک پر یہ زور کیوں دیتے ہیں کہ : وہ سب کو ایک جیسا کر ڈالیں ؟ ہاں اسلامی حکومت اس امر کی ذمہ دار ضرور ہے کہ ملک کا کوئی باشندہ، مسلم ہو یا وہ غیر مسلم ؟ بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہے اور اسی حد تک اس کی کفالت کا وہ ذمہ لیتی بھی ہے لیکن شرعی معذوری کی شرط پر۔ یوں نہیں کہ کچھ مفت خورے ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔ اور حکومت ان کو گھر بیٹھے "من و سلویٰ" بھیجا کرے۔ کیونکہ اسلامی حکومت خدا نہیں ہوتی۔ وہ کمی کی صورت میں اعانت کی ذمہ دار ہوتی ہے یا یہ کہ کوئی واقعی شرعی معذور ہو۔ اس کی پوری کفالت کی ذمہ داری لینا اس کے بنیادی فرائض کا حصہ ہوتا ہے۔

اصل میں مساوات کی ترازو خوش حال اور مفلوک الحال عوام کے درمیان ہی رکھ کر شاطر اور بے خدا حکمران لوگ، درمیان سے کھسک گئے ہیں۔ وہ مساوات جس سے ہمیشہ بحث جاری رہی ہے وہ عوام اور حکمران کے طرز حیات اور شہری حقوق کے سلسلے کی رہی ہے کہ وہ اپنے عوام کے ایک فرد کی حیثیت سے ان کے ہمسفر رہتے ہیں یا کوئی آسمانی مخلوق بن کے اپنے عوام سے کوسوں دور چلے گئے ہیں، عوام تو بھوکوں مریں اور حکمران شراب و کباب میں دھت رہیں، عوام کے بدن پر نام کے چیتھڑے بھی نظر نہ آئیں اور ارباب اقتدار صبح و شام نئی قیمتی پوشاک زیب تن کرتے رہیں۔ رعایا کو تو سر چھپانے کے لیے جھونپڑے نہ ملیں اور حکمران ٹولہ فلک بوس محلات اور شاہی ایوانہائے بریں میں عیش کریں، غریب شہری ذرا سی لغزش پر گردن زدنی اور بادشاہ لوگ خلقِ خدا کی گردنیں اڑا کر بھی، بادشاہ —— جب سیاسی سطح پر "مساوات" کی آواز بلند ہوئی تو وہ اسی نوع سے متعلق تھی۔ لیکن بار لوگوں نے اپنی شاطرانہ چالوں کے ذریعے عوام کی مت مار کر، ان کو باہم تولنے پر لگا دیا تاکہ عوام باہم الجھ کر ان راج دلاروں کو تولنے سے غافل ہو جائیں۔ اور یہ شرارت اتنی کامیاب رہی کہ اب حکمران بالکل محفوظ ہیں، مگر عوام جو بالکل عوام ہی ہیں، ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے قابل نہیں رہے۔ اور بدنیت سیاستدان اور حکمران ٹولہ یہی چاہتا تھا —— گویا کہ جو اصلی چور تھے، چور چور کا شور مچا کر خود شریف اور پُرامن شہری بن رہے اور جو عوام صحیح معنی میں شریف اور پُرامن شہری تھے وہ ایک دوسرے کو ہی چور تصور کر کے باہم الجھ پڑے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ : سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے کچھ کم دھاندلیاں کی ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ان کی تخلیق کا سہرا بھی انہیں بے خدا حکمرانوں کے سر پر ہے۔ کیونکہ یہاں تک اونچی اڑان کے لیے بال و پر بھی خود انہوں نے ہی

اُن کو عطا کیے ہیں۔
اسلامی حکومت میں سرمایہ دار اور جاگیر دار پیدا ہی نہیں ہوتے اگر ہو جائیں تو وہ قارون کی ذریت نہیں بنتے اور نہ سانپ بن کر اس پر لوٹتے ہیں۔ بلکہ وہ سلیمانی کرتے ہیں۔ ان کی دولت عوام کے دکھوں کی دوا بنتی ہے۔ اور وہ ایک جگہ جمع ہو کر ڈھیر نہیں بننے پاتی —— بشرطیکہ اسلامی ریاست کے حکمران خود باخدا اور خدا ترس ہوں۔ ورنہ وہ سرمایہ دار اور جاگیردار کی تخلیق کا باعث بھی بنتے ہیں اور اُن کے خلاق بھی بگاڑتے ہیں —— اس لیے "مساوات" کا جو موجودہ تصور ہے، اب اس کی تجدید ہونی چاہیے، یعنی عوام کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے تولنے میں وقت ضائع نہ کریں۔ بلکہ خود اس حکمران ٹولے کو تولنے کے لیے وقت نکالیں جو اپنی ذات کے سلسلے میں "شرعی مساوات" کی ترازو قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر قوم نے اپنی یہ ترازو جبیت لی تو یقین کیجیے! عوام کو ایک دوسرے کے تولنے اور مساوات کے نعرے لگا کر باہم اُلجھنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ انھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں —— انشاء اللہ آپ یہ نسخہ بھی آزما دیکھیں! جو اصلی چور، حقیقی شاطر، مساوات محمدی کے اصلی اور ازلی دشمن اور سرمایہ داری اور جاگیرداری کے قوی خلاق ہیں۔ وہ سیدھے ہو گئے، اور عوام کی شرعی مساواتی ترازو میں راست آگئے تو یقین کیجیے! اپنے شہریوں میں آپ کو ایسا سرمایہ دار اور جاگیردار نظر نہیں آئے گا۔ جس کے زہر سے عوام مر سکتے ہوں۔ ورنہ مساوات کے غیر دانشمندانہ تصور کے ہاتھوں آپ سدا عدم مساوات کے شکار رہیں گے۔ ماضی آپ کے سامنے ہے حال کا مشاہدہ کر لیا ہے۔ آئندہ کے تجربات مزید آپ کی آنکھیں کھول دیں گے۔ ملک میں خوشحال عوام، اقتصادی نظام کو زندہ رکھنے کے لیے مفید ہو سکتے ہیں اگر آپ نے ہوش کیا۔

مولانا عبدالغفار حسن
مدینہ منورہ

مساواتِ مرد و زن اور انتخابات

آج کل عورتوں کی آزادی کے نام پر مغربی تہذیب و ثقافت سے مرعوب ہو کر قسم قسم کی بے حجابی اور بے حیائی کے مناظر مسلم ممالک میں نظر آرہے ہیں۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل صورتوں میں وضاحت مطلوب ہے: قرآن و سنت کی روشنی میں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۱۔ عورتوں کا بے پردہ گھروں سے باہر نکلنا۔
۲۔ درسگاہوں میں، مجالس میں، اجتماعات میں مرد و زن کا اختلاط (میل ملاپ)
۳۔ نامحرم مردوں سے مصافحہ، ملاقات، اور اُن کے ساتھ بغیر کسی محرم کے سفر و حضر میں رفاقت۔

۴۔ مسلمان عورت کا انتخاب میں مردوں کی بھی نمائندہ بن کر حصہ لینا اور بغیر کسی محرم کے نامحرم مردوں کے گھروں اور دفتروں میں ووٹ کے لیے چکر لگانا۔

۵۔ مذہبی، سماجی اور سیاسی مجالس یا مساجد کے اجتماعات میں خوشبو لگا کر بن سنور کر شریک ہونا۔

جواب ——— قسط ۱

قرآن و حدیث کی روشنی میں مذکورہ بالا مرد و زن کے اختلاط کی سب صورتیں ناجائز ہیں ؛۔

مسلمان عورت کا انتخاب میں حصہ لینا، اُمیدوار بن کر کھڑا ہونا فتنہ سے خالی نہیں ہے۔ اس صورت میں نامحرم مردوں سے اختلاط اور میل جول ناگزیر ہے۔ حالانکہ مسلمان خواتین کو پردہ کا حکم دیا گیا ہے۔

ازواج مطہرات کے بارے میں سورۃ احزاب (۲۲) پارہ میں ہے ؛۔

اذا سألتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب ذالكم اطهر لقلوبكم وقلوبهن (الآية ۵۳)

ترجمہ ؛۔ جب اُن سے کوئی چیز طلب کرنی ہو تو اوٹ میں ہو کر مانگو، یہ طریقہ کار تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے پاکیزہ ہے۔

جب صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کو دلوں کی پاکیزگی کی بنا پر یہ حکم دیا گیا ہے تو قیامت تک مسلمان مرد اور خواتین اس قلبی طہارت اور پاکیزگی کے ان سے کہیں زیادہ محتاج ہیں۔

سورۃ احزاب کی دوسری آیت میں فرمایا :

ولستن كاحد من النساء ان اتقيتن فلا تخضعن بالقول فيطمع الذى فى قلبه مرض وقلن قولا معروفا (آیت ۳۲)

(ازواج نبوی سے خطاب ہے) تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو، تو بات کرتے ہوئے لچک نہ پیدا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہوسِ فجور کا مریض (بدنیت الطمع (لالچ) کا شکار ہو جائے، بات کرو تو اچھی بات کرو۔

مطلب یہ ہے کہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں، ان کا مقام، قیادت و رہنمائی کا ہے۔ اُن کا ہر عمل آئندہ اُمتِ مسلمہ کی خواتین کے لیے نمونہ ہے۔ لہٰذا اُن کا کردار، ان کی سیرت بے داغ ہونی چاہیے۔

اسی بناء پر ایک آیت میں فرمایا۔

"اے نبی کی بیویو! اگر تم میں سے کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کی مرتکب ہوتی تو اُسے دوگنا عذاب ہوگا، اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم میں سے جس نے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کی تابعداری کی اور نیک کام کیے اس کو دوہرا اجر ملے گا، اور اس کے لیے ہم نے اچھی روزی تیار کی ہوئی ہے" (سورہ احزاب آیات ۳۰۔ ۳۱)

سورۃ احزاب کے اخیر میں فرمایا:۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ (آیت ۵۹)

اے نبی اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر چادریں ڈال لیں، لٹکالیں (گھونگھٹ نکال لیں) اس طرح ان کی پہچان ہو سکتی ہے اور انہیں کوئی ایذا نہیں پہنچائی جاسکتی "پہچان ہوسکتی ہے" کے معنی ہیں کہ وہ آزاد ہیں۔ باندیاں نہیں ہیں۔

اس آیت کا شانِ نزول (پس منظر) یہ ہے کہ مسلمان آزاد عورتیں گھروں سے جب کسی کام کے لیے نکلتیں تو بدنیت لوگ اُن پر آوازیں کستے، جب اُن کو اس پر ٹوکا جاتا تو وہ جواب دیتے کہ ہم نے ان کو لونڈیاں سمجھا تھا۔

اس بنا پر حکم دیا گیا کہ آزاد خواتین گھروں سے باہر نکلیں تو چہروں پر، پورے جسم پر چادر ڈال لیا کریں، جلباب بڑی چادر کو کہتے ہیں، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (مختار الصحاح صفحہ ۱۰۱ و تفسیر فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۲۹۴)۔

سورۃ احزاب میں بائیسویں پارے کے شروع میں فرمایا: "وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى" (الآیۃ ۳۳) یعنی اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور سابقہ جاہلی دور کی طرح بن ٹھن کر اور نمایاں ہوکر باہر مت نکلو،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا اصل مقام گھر ہے، جہاں وہ شرم و حیا کے زیور سے آراستہ ہوکر اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہتی ہے۔ یہی اندازِ زندگی اس کی سیرت اور کردار کو بناتا ہے۔ اور مہذب اور باادب اولاد اس کی گود میں پروان چڑھتی ہے۔

اسی طرح اجنبی اور نامحرم عورت مرد کے اختلاط اور میل جول کو روکنے کے لیے گھر میں آمد و رفت کے قواعد و ضوابط بھی قرآن حکیم میں بتائے گئے ہیں فرمایا: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ۚ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ

تَذَكَّرُوْنَ" - (سورۂ نور آیت ۲۷)۔ " اے ایمان والو اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے گھروں میں گھر والوں سے اجازت لیے بغیر اور اُن کو سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

قرآن مجید میں مذکورہ بالا آیات کے علاوہ دوسری بہت سی آیات ہیں جن سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ عورتوں کا نامحرم مردوں کے ساتھ کھلا ملا ملنا جائز نہیں ہے۔

ذیل میں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں، جن سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ اسلام کا اصل مزاج کیا، وہ مخلوط سوسائٹی چاہتا ہے یا جداگانہ معاشرہ کا حامی ہے۔

اسلام میں نہ صرف عام مجالس میں بلکہ عبادت جیسے مقدس عمل کو ادا کرتے ہوئے بھی مردوں اور عورتوں کے اختلاط کو ناپسند کیا گیا ہے۔

۱۔ عن انس رضی اللہ عنہ قال " صلیت انا ویتیم فی بیتنا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وام سلیم خلفنا " (الصحیح للبخاری مع فتح الباری جلد ۲ ص ۲۱۲، الصحیح للمسلم کتاب الصلوٰۃ)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اپنے گھر میں میں نے اور ایک یتیم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کی اور ام سلیم رضی اللہ عنہا (حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ) نے ہماری پچھلی صف میں نماز باقتداء رسول اللہ علیہ وسلم ادا کی۔" (باقی آئندہ)

تعزیراتِ اسلام مولانا برق التوحیدی

اسلام کا قانون قصاص

قسط (۹)

قولہ: قاضی صاحب موصوف نے دفعہ ۶ ش ۱۲ میں لکھا ہے کہ "مرد اور عورت کے درمیان نفس سے کم میں قصاص جاری نہ ہوگا" (ترجمان القرآن جلد ۹۰ ع ۴ ص ۲۱)

اقول: اس مسئلہ میں احناف اور مالکیہ و شوافع کے درمیان اختلاف ہے اور اس اختلاف کی اصل بنیاد اس بات پر ہے کہ کیا عورت اور مرد کے اعضاء میں مماثلت ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک یہ مماثلت مفقود ہے جب کہ جمہور کے نزدیک مماثلت و مساوات موجود ہے۔ احناف اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ چونکہ مرد و زن کے اعضاء کی دیت میں فرق ہے لہٰذا مساوات نہ رہی۔ اب ہم دیکھنا یہ چاہتے ہیں کہ کونسا موقف صحیح اور قرین شریعت ہے لیکن تفصیل سے قبل یہ بات ذہن نشین رہے کہ احناف بھی مرد و زن میں بحیثیت نفس مساوات تسلیم کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ جب مرد و زن باعتبار نفس آپس میں مساوات رکھتے ہیں تو اعضاء جو کہ نفس کے تابع ہیں ان میں مساوات نہ ہو۔ لیکن مرد و عورت کے اعضاء میں عدم مماثلت کو ناقص و تام اعضاء پر قیاس کرنا یقیناً غلط مبحث ہی نہیں بلکہ علم و آگہی سے ناآشنائی کا نتیجہ ہے کیونکہ یہاں تو عدم مماثلت مبنی بر جنس ہے جب کہ وہاں جنس کے اعتبار سے قطع نظر صفات ظاہریہ کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ جو مماثلت معتبر ہے وہ ظاہری ہے اسی وجہ سے یمنی، یسری اور ناقص و کامل کا فرق کیا جاتا ہے اور دوسری عدم مماثلت دین کی بنا پر ہو سکتی ہے۔

قولہ: قصاص لیتے وقت تمام ورثاء کا موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ ہو سکتا ہے جو ولی غائب ہو وہ معاف کر دے (دفعہ ۵ ش ۴)

اقول: لیکن جب موصوف کو یہ تسلیم ہے کہ ایک وارث باقی ورثاء کی طرف سے باجازت

قصاص لے سکتا ہے تو پھر حاضری کا وجوب چہ معنی؟ اسی طرح جب نابالغ کے بلوغ کا انتظار شرط نہیں تو یہ انتظار کیوں؟ جب کہ وہاں بھی ممکن ہے کہ بالغ بعد از بلوغت اُسے معاف کر دے یا دیت اخذ کرلے بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ ولی نابالغ کو حق عفو سے محروم کیا جانا بھی تسلیم ہو۔

آلہ قصاص

اس بات میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کیا قصاص بالمثل ضروری ہے یا نہیں —؟ احناف کے نزدیک قصاص صرف تلوار ہی سے لیا جا سکتا ہے جب کہ باقی جمہور علماء کا مسلک ہے کہ جس طرح قاتل نے قتل کیا ہو اُسی طرح قتل کرنا چاہیے الا یہ کہ کوئی شرعی مانع موجود ہو۔ قاضی موصوف نے امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو ترجیح دیتے ہوئے جمہور کے دلائل کے متعلق فرمایا ہے کہ "ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به" جیسی آیات سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ تعدی اور زیادتی منع ہے حالانکہ یہاں تعدی صوری و معنوی مراد ہے تبھی تو موصوف کے آئندہ معارضہ کا جواز ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ قرطبی نے " فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ " کے عموم کو متفق علیہ کہا ہے علامہ جزیری مماثلت کے اس عمومی مفہوم کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

"يشترط ان تراعى المماثلة فى طريق القتل وتراعى فى الكيفية و المقدار ففى التجويع يحبس مثل تلك المدة ويمنع عنه من الطعام فى الالقاء فى الماء او النار يلقى فى ماء ونار" (فقہ علی المذاہب ج۵ ص۳۰۰)

اس کے علاوہ انہی دو آیات کے تحت خود شوافع و احناف کا دعویٰ ہے کہ ایسی چیز میں جن کا وزن وغیرہ نہ ہو سکے اُن میں مماثلت ضروری ہے۔ چنانچہ علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

"فقال الشافعى وابوحنيفة واصحابهما وجماعة من العلماء عليه فى ذلك المثل ولا يعدل الى القيمة الا عند عدم المثل۔ لقوله تعالىٰ فمن اعتدىٰ عليكم وقوله تعالىٰ وان عاقبتم فعاقبوا قالوا وهذا عموم فى جميع الاشياء كلها .... لاخلاف بين العلماء ان هذه الاية اصل فى المماثلة فى القصاص فمن قتل بشئ قتل بمثل ما قتل به وهو قول الجمهور" (تفسیر قرطبی ج۲ ص۳۵۸)

یعنی اس آیت کے عموم تماثل میں کسی کو اختلاف نہیں اور جمہور کا بھی اس آیت کی بنیاد پر یہی مسلک ہے کہ قتل میں مماثلت ہونی چاہیے لیکن افسوس کہ اعضاء و جوارح اور دیگر تعزیری معمولات میں مماثلت کو بنیاد بنانے والے یہاں پر کیوں کلیہ تماثل سے فرار اختیار کرتے ہیں۔

بنا بریں میں اس مقام پہ اس حقیقت کا واشگاف الفاظ میں اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ میرے مطالعہ و مشاہدہ یا معلومات کی حد تک یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچی ہے کہ حضرات احناف ایک طرف جہاں باب الحیل کا سہارا لے کر مذہبی دنیا میں عیش و عشرت کے طالب ہیں وہاں انہیں اس بات میں بھی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ اگر انہیں کسی مقام پر حدیث کے برعکس اپنے مسلک کو پھنستا ہوا نظر آئے تو وہ حدیث کو ضرور ترک کر دیں گے۔ اس ضمن میں خواہ اُن کے اپنے اصول بھی نظر انداز ہو جائیں۔ یعنی آپ دیکھیں کہ بہر طور انہیں جمہور کی مخالفت مقصود ہے قطع نظر اس سے کہ قرآن و حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے یا نہیں؟ ان کے اصول انہیں اجازت دیتے ہیں یا نہیں؟ جیسا کہ آپ اس موقع پہ دیکھ رہے ہیں در اصل یہ تمام فتنہ تقلید ہی کی شر انگیزیاں ہیں، اعاذنا اللہ منہ۔

احادیث ان آیات کے علاوہ بہت سی احادیث بھی مسلک جمہور کی مؤید ہیں۔ مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں میں رکھ کر پھسل دیا جس کی وجہ سے وہ قتل ہو گئی تو نبی علیہ الصلوٰۃ نے بھی اس سے ایسے ہی قصاص لیا (منتقی)

علامہ شوکانی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

"وفیہ ایضا دلیل علی انہ یجوز القود بمثل ما قتل بہ المقتول والیہ ذھب الجمھور ویؤید ذلک قولہ تعالیٰ وان عاقبتم وقولہ تعالیٰ فاعتدوا علیہ وقولہ تعالیٰ وجزاؤ سیئۃ سیئۃ مثلھا

(نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۹)

اسی طرح قبیلہ عکل کے افراد کو بھی نبی علیہ السلام کا قصاص مثل میں قتل کرنا جمہور کی تائید کرتا ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "من حرق حرقناہ ومن غرق غرقناہ" (بیہقی) یہ حدیث اسنادی لحاظ سے محل نظر ہونے کے ساتھ اس کا پہلا حصہ اگرچہ موانع شرعیہ میں آسکتا ہے لیکن یہ بھی محل نظر ہے جیسا کہ علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

لا یعذب بالنار الا رب النار صحیح اذا لم یحرق فان حرق حرق یدل علیہ عموم القرآن قال الشافعی ان طرح فی النار عمدا طرح فی النار حتی یموت" (تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۳۵۵)

یعنی قصاص نہیں بلکہ عمومی انتقام و سزا کے طور پر یہ مانع معتبر ہوگا چنانچہ موصوف ہی ابن ماجشون کے جواب میں فرماتے ہیں:

"وذهب الجمهور الى انه يقتل بذلك لعموم الآية" (ایضاً ج ۷ ص ۳۵۸)

یعنی آگ اور زہر کے قصاص میں قاتل کو ویسے ہی قتل کرنا جمہور کا مسلک ہے۔ بہر حال دوسرے جز سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ قصاص بالمثل جائز ہے۔ لیکن ان الفاظ کے متعلق یہ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں کہ غرق کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف کی ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ محض عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے کہ واضع الفاظ "جمع متکلم" کے ہیں واحد متکلم کا صیغہ نہیں۔ اس فرق کا علم اگر فاضل مضمون نگار کو نہ ہو تو کم از کم صرف کی ابتدائی کتب پڑھنی چاہییں کہ "اطلبوا العلم من المهد الى اللحد" کے تحت اس میں شرم و حیا کا کوئی واسطہ نہیں۔ مزید تعجب کی بات یہ ہے کہ احناف اسی حدیث کو وجوب قصاص کی دلیل بناتے ہیں لیکن استیفائے قتل قصاص میں اس پر عمل نہیں کرتے۔ علامہ جزیری فرماتے ہیں:

"قد استدل احناف بهذا الحديث فى وجوب القصاص ولم يعملوا به فى الاستيفاء" (الفقہ علی المذاہب ج ۵ ص ۳۰۴)

بہر حال متعدد ایسے مقامات بطور استشہاد پیش کیے جا سکتے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع متکلم کے صیغے کے ساتھ اپنی نسبت کی وساطت عام مسلمانوں کو مخاطب فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کے نزدیک یہ بات ایسے ہے تو جس بات کو نبی علیہ السلام امتِ مسلمہ کا اصول قرار دیں وہ تو قاعدہ کلیہ نہ ہو؟ اور جسے موصوف کا ضمیر تقلیدی قرائن سے ترجیح دے وہ قاعدہ مطردہ؟ تو فرمایئے کیا یہی "فلا وربك" "فليحذر" "من يشاقق الرسول" "ان تنازعتم" اور "اطیعوا" جیسے سینکڑوں فرامین الٰہیہ کا منشا و مراد اور تقاضا ہے

؎ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

قود کا تحقق

قاضی صاحب موصوف نے اپنی تحریر دلپذیر میں احناف کی تائید میں حدیث "لا قود الا بالسیف" کو پیش فرمایا ہے کہ اس میں قصاص صرف تلوار ہی سے کہا گیا ہے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ لفظ "سیف" کی تخصیص و تقیید کو موصوف نے عمداً یوں ختم کر دیا ہے کہ "یہاں سیف سے مراد "سلاح" ہے یعنی ہر وہ آہنی آلہ جو تلوار کی طرح چیر پھاڑ کر ٹکڑے کر سکتا ہو" اس عموم سے معلوم ہوا کہ تلوار کے علاوہ تیر، جیسے آہنی آلہ

سے قصاص لیا جا سکتا ہے۔" (ص ۱۱)

حالانکہ یہ اصول بھی احناف کے خلاف ہے لیکن ہم موصوف سے یہ سوال کرنے میں مجاز ہیں کہ سیف سے "سلاح" کا معنیٰ اور پھر اطلاق و عموم کس آیت یا حدیث کی بنا پر ہے اور اگر یہ آپ کو بھی تسلیم ہے تو جمہور کے نزدیک بھی تو یہی چیز ہے۔

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

موصوف کی وسعت نظر

حدیث "لا قود الا بالسیف" ابن ماجہ ص ۱۹۶ پر دو سندوں سے مذکور ہے لیکن دونوں اسناد میں جابر اور مبارک بن فضالہ راوی ضعیف و مدلس ہیں۔ لیکن اس سے قطع نظر موصوف کے مبلغ علم اور وسعت نظر کا اندازہ اس سے لگائیے کہ بغیر شعوری طور پر وہ قَود کے تحقق کو تلوار یا اس کے مثل آہنی آلہ سے خاص کر رہے ہیں حالانکہ یہ بات اُن کے بیان کردہ اصول کے خلاف ہی نہیں بلکہ علم لغت سے معمولی دلچسپی رکھنے والا ابتدائی بھی جانتا ہے کہ قود کا تحقق اس تقیید کے علاوہ بھی ممکن ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے

"اقاد عمرؓ من ضربة الدرة" اور حضرت علی کے متعلق ہے "اقاد علی ابن ابی طالب من ثلاثة اسواط" (تفسیر قرطبی ج ۶-۷ ص ۲۵۷)

تو کیا حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما نے کوڑے کے بدلے تلوار سے بدلہ لیا تھا؟ بلکہ قود کا اطلاق اس وقت بھی درست ہوتا ہے جب کہ تلوار کے بغیر کسی اور آلہ سے قصاص لیا جائے۔

دراصل معلوم یوں ہوتا ہے کہ موصوف کو اس کے لغوی و اصطلاحی معنی میں مغالطہ ہوا ہے کیونکہ ویسے تو قود قصاص کو کہتے ہیں۔ لیکن مذکورہ حدیث میں اس کا محل دو وجہ سے ممکن ہے۔ اوّل یہ کہ اس وقت آخر قتل بالسیف تھا تو بالمثل بھی ویسے ہی ہونا تھا۔ چنانچہ آپ نے اغلب پہ محمول کرتے ہوئے یہ فرمایا: دوم قود اور سیف میں معنیٰ کا توسع ہو سکتا ہے جیسا کہ خود موصوف بھی تسلیم کرتے ہیں۔

دوسری غلط فہمی

علمِ لغت میں عدم دسترس کے باعث موصوف کو دوسری غلط فہمی یہ ہوئی کہ انہوں نے سلاح کے ضمن میں تلوار کے تشابہ کو ضروری خیال کیا ہے۔ حالانکہ جب سیف کے معنی "ما یضرب بہ" میں خود اتنی وسعت ہے تو سلاح

میں تو بالا والی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ازہری کی تقیید کے باوجود علامہ زبیدی نے استشہاداً شعر پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ سلاح کا اطلاق عصا یعنی لاٹھی پر ہوتا ہے۔

ولست بعارفة عرك سلاحی عصا مثقوبة تقمص الحمارا

غرضیکہ قصاص میں مماثلت جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے الا یہ کہ کوئی شرعی مانع

عود الی المقصود

موجود ہو امام ابن العربی فرماتے ہیں۔

"والصحیح من اقوال علمائنا ان المماثلة واجبة" (قرطبی ۳۵۸/۲-۲)

امام قرطبی احناف کے دلائل پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"والصحیح ما ذهب الیه الجمهور" (ایضاً ۳۵۹/۲-۲)

ائمہ کا عمل

یہ تو آپ معلوم کر چکے ہیں کہ قرآن و سنت کے مطابق جمہور۔ کا جو عمل ہے اس کے برعکس احناف کا مذہب کن دلائل پر کتنا قوی ہے! لیکن ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ احناف بعض اوقات بعض جزوی مسائل میں اس بات پہ بہت زور دیتے ہیں کہ فلاں فلاں تابعی نے یوں کہا لہٰذا ایسے کیوں ممکن نہیں؟ ہمارے لیے یہ بات اس وجہ سے اگرچہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ ہم کسی کے مقلد نہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ کائنات میں گذرے ہوئے، آنے والے اور موجود انسانوں کی آراء اگر کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ان کے متفقہ فتووں کے خلاف ہو تو ہمارے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہی قابلِ اطاعت، مشعل راہ اور باعث نجات ہوگا اور "مَا اٰتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا" کا تقاضا بھی یہی ہے اور ہمیں اس بات پہ فخر ہے کہ ؎

ما اہل حدیثیم دغا را نہ شناسیم
با حدیث نبی چون و چرا نہ شناسیم

اور اس کے بعد اگر کسی صحابی، امام، تابعی، بزرگ، ولی، قطب، ابدال یا بعد میں آنے والے کا قول اگر حدیث نبی کے مطابق ہو تو فبہا۔ ورنہ وہ مردود تصور ہوگا۔ اور اسے مطابق سنت اخذ کرنے کی صورت میں اصل بنی سنت نبوی ہی سمجھا جائے گا اور اس کی تائید وغیرہ محض اضافی و اتفاقی امر ہوگا۔

لیکن احناف مقلدین کے نزدیک بہر صورت اپنے پیشرو حضرات کی طرح حدیثِ نبوی کو تو ترک کیا جا سکتا ہے لیکن اپنی رائے یا قولِ امام کو ترک نہیں کیا جا سکتا جس کی تائید میں متعدد امثلہ مش

کی جا سکتی ہیں لیکن بخوفِ طوالت ہم اس مسئلہ میں اپنی طرف سے رائے زنی کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ علامہ قرطبی کے ریمارکس جو انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ کے قول کے متعلق دیا ہے کو قارئین کی نظر کرنا بھی کافی سمجھتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ وہ فقہ حنفی کے مالہ وما علیہ کو اچھی طرح سمجھیں کہ تقلید کا اصل ہدف کیا ہے۔ علامہ قرطبی اس مسئلہ پر تفصیلی بحث لکھنے کے بعد رقمطراز ہیں:

" وھذا منه رد للكتاب والسنة واحداث ما لم يكن عليه امر الامة وذريعة الى دفع القصاص الذى شرعه الله للنفوس فليس عنه مناص " (قرطبی ص ۲۴۶ ج ۲)

یعنی امام حنیفہ کا یہ قول و فتویٰ کتاب و سنت کے رد کرنے کے مترادف ہے اور اُمّتِ مسلمہ کے متفقہ فیصلے سے بغاوت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے از راہ شریعت جس قصاص کو انسانوں پر لازم کیا ہے اُسے ختم کرنے کا بہانہ ہے حالانکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔

بہر حال ہم از راہ تفصیل یہ بتانا چاہتے ہیں کہ متعدد اصحابِ علم کا بھی یہی خیال ہے کہ قصاص بالمثل ہو گا۔ امام بیہقی فرماتے ہیں۔

۱۔ اخبرنا..... انبانا اشياخنا الذين ادركوا النبى صلى الله عليه وسلم ان رجلا رمى رجلا بحجر فاقاده النبى صلى الله عليه وسلم به۔

۲۔ اخبرنا..... عن مرداس ان رجلا رمى رجلا بحجر فقتله فاتى به النبى صلى الله عليه وسلم فاقاده منه۔

۳۔ اخبرنا...... ان عبد الله بن مروان اقاد رجلا من رجل قتله بعصاً فقتله بعصاً۔ (سنن الكبرى ص ۴۳، ۶۲ ج ۸)

۴۔ عن اياس بن معاوية قال كل شئ يقتل فانه يقاد به نحو الحجر العظيم والخشبة العظيمة التى تقتل۔

۵۔ عن هشام بن عروة انه حدثه ان ابنا الصهيب اخذ ابنا الحاطب فضربه بخشبة معه حتى ظن انه قد قتله فذكر الحديث وانه مات منها وان الصهيبى دفع الى ولى حالب فضربه بعصاً معه فى الراس حتى نظارت شؤون راسه نمات وعروة بنى الزبير جالس لا ينكره۔

۶۔ قال قتادة ان قتل بحجر قتل بحجر وان قتل بخشبة قتل بخشبة وهو قول

ابان بن عثمان:

۷۔ عن میمون بن مهران ان یهودیا قتله مسلم بفهر فکتب میمون فی ذلك الی عمر بن عبد العزیز فکتب الیه عمر یامره بدفعه الی ام الیهودی فدفعه الیها فقتله بفهر۔

۸۔ قال مالك ان قتله بحجر اوعصی او بالنار او بالتغریق قتل بمثل ذلك یکرر علیه ابدا حتی یموت" (محلی ابن حزم ص۳۷۱ ج۱۰)

بہرحال ان آثار و روایات جیسی مصنف عبدالرزاق میں دوسری عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ متفق علیہ بات یہی ہے کہ قصاص بالمثل ہوگا۔ امام ابن حزم ان آثار کو نقل فرمانے کے بعد رقمطراز ہیں کہ:

"وبه یاخذ مالك والشافعی وابو ثور واحمد بن حنبل واسحاق وابن المنذر واصحابهم وغیرهم" (محلی ص۳۷۱ ج۱۰)

حصول مقصد اس کے علاوہ اگر عقلی طور پر بھی دیکھا جائے تو انسان کا طبعی تقاضا یہی معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کو اسی طرح قتل کیا جائے جس طرح اس نے مقتول کو قتل کیا تھا۔ اور ولی قصاص کی تشفی جو کہ قصاص کا اصل مقصد ہے وہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے۔ علامہ عبدالرحمٰن الجزیری فرماتے ہیں:

"ولان المقصود من القصاص التشفی وانما یکمل اذا قتل بمثل ما قتل"

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص۳۰۶ ج۵)

لیکن نامعلوم ولی قصاص کو حق عفو سے اسی بنا پر محروم کرنے والے کہ اسے نابالغ یا مجنون کے حق کا اسقاط حاصل نہیں کیونکہ اسی طرح تشفی کا حصول ناممکن ہے۔ اس مقام پر حصولِ تشفی کی خاطر اس تمثیلی اقدام سے کیوں گریزاں ہیں۔ کیا محض مخالفت تو مقصود نہیں کما مر۔ بہرحال مے

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

شرعی موانع شرعی موانع میں بعض نے از راہ معارضہ اگرچہ حدیث ہی یعنی "لا یعذب بالنار الا رب النار" کو بھی پیش کیا ہے جس کی توجیہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ مکافاتِ عمل میں مانع نہیں بلکہ اقدامِ عمل میں مانع ہے جیسا کہ علامہ جزیری بھی مسئلہ کے تحت فرماتے ہیں:

"وحديث النهي عن المثلة محمول على من وجب قتله لا على وجه المكافات" (الفقه على المذاهب ج-۵ ص ۳۰۶)

دوسرا مانع بعض نے لواطت کو شمار کیا ہے یعنی لواطت چونکہ نصاً حرام ہے لہٰذا اس کے ذریعے قصاص نہیں لیا جا سکتا۔ اور اسی طرح شراب کا مسئلہ ہے۔ علمائے جمہور ایسی صورت میں قاتل کو تلوار سے قتل کرنے قائل ہیں اور شوافع کے نزدیک اصول مماثلت کے تحت لواطت کا کام لکڑی سے اور شراب کا کام پانی سے لیتے ہوئے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

"...... وهو قول الجمهور ما لم يقتله بفسق كاللوطية واسقاء الخمر فيقتل بالسيف وللشافعية قول انه يقتل بذلك فيتخذ عود على تلك الصفة ويطعن به في دبره حتى يموت ويسقى عن الخمر ماء حتى يموت"

(تفسیر قرطبی ج-۵ ص ۳۵۸)

اس مقام پر جمہور کا مذہب اس وجہ سے صحیح معلوم ہوتا ہے کہ لواطت کی حد تو مقرر ہے لہٰذا اسے وہی سزا دی جائے گی۔ علامہ جزیری فرماتے ہیں۔

"اما لو ثبت اللواط باربعة شهود فيكون حده الرجم بالحجارة حتى يموت وكان غير محصن"۔ (الفقه على المذاهب ج-۵ ص ۳۰۴)

اور جہاں تک شراب کا تعلق ہے وہ چونکہ نص صریح سے حرام ہے لہٰذا ایسے شخص کو کثرت سے پانی پلا کر ختم کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ ایک مانع جادو کو بھی سمجھا گیا ہے چنانچہ یہاں بھی عدم مماثلت کے تحت جمہور کا قول ہی راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کی بھی حد معلوم و متعین ہے جس سے اصل مقصد حاصل ہو جاتا ہے علامہ جزیری فرماتے ہیں:

"وكذلك بالسحر وثبت عليه بالبينه او اقرار فيتعين قتله بالسيف ولا يلزمه بفعل السحر مع نفسه حتى يموت لان الامر بالمعصية معصية"

(الفقه على المذاهب ج-۵ ص ۳۰۴)

ان موانع کے علاوہ بعض نے کثرت طعام، بھوک، پیاس وغیرہ کو بھی شامل کیا ہے اور ایسی صورتوں میں بعض نے کہا ہے کہ ان کو تلوار ہی سے قتل کیا جائے گا۔ وللتفصيل الفقه على المذاهب للجزيري

و تفسیر قرطبی۔ واللہ اعلم

ایک مفروضہ

قاضی صاحب موصوف نے اپنے زورِ قلم سے ایک مفروضہ کے ذریعہ بھی احناف کے موقف کو مضبوط کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں "کہ ممکن ہے تلوار کے علاوہ قصاص لینے کی صورت میں ایک دفعہ سے قتل نہ ہو تو پھر دوبارہ وار کیا جائے گا۔ یعنی متعدد ضربات وجود میں آئیں گی اب اگر ایک ضرب کے بعد مجرم کو ترک کر دیا جائے تو قصاص ممکن نہ ہوگا اور بصورتِ دیگر مماثلت قائم نہ ہوگی اور تعدی ہوگی۔ حالانکہ موصوف کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جو معارضہ انہوں نے جمہور کے مسلک کے ضمن میں تعدد ضربات کا پیش کیا ہے وہی معارضہ قصاص بالسیف کی صورت میں متحقق ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص نے گولی یا پتھر وغیرہ سے قتل کیا تو قصاص میں اُسے تلوار سے قتل کرنے میں مماثلت نہ ہوگی اور ممکن ہے کہ تلوار سے قتل کرنے کی صورت میں نقص آلہ یا قصور جلّاد کی وجہ سے وہ ضرب واحد میں قصاصاً قتل نہ ہو سکے تو بھی خون بغیر بدلہ کے رہ جائے گا یا تعدد ضربات معرض وجود میں آئیں گی۔ فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

شرعی ہدایت

موصوف نے اپنی تحریر میں بڑے پُرفریب الفاظ میں کہا ہے کہ شرعی ہدایت بھی ہے کہ جانور کو آسان طریقہ سے قتل کیا جائے اور آلہ قتل کو اچھی طرح درست کر لیا جائے لیکن اس مقام پر مذکورہ حدیث سے استدلال خود فریبی کے مترادف ہے کیونکہ واضح ہے کہ اس حدیث کا محمل اور مابہ النزاع مسئلہ میں بُعد المشرقین ہے اور اس بات کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عمل یہودی کے ساتھ کیا اُس کا کیا حکم ہوگا؟ اسی طرح وفد رعل و ذکوان کے متعلق سلوک پر کیا فتویٰ ہے؟ اور رجم کی سزا بھی کیا اس شرعی ہدایت کے منافی نہ ہوگی؟ نیز موصوف "البصلبون" کے تحت پھانسی کی جو تعریف رقم فرما چکے ہیں کیا وہ بھی اس شرعی ہدایت کا تقاضا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ صرف قول امام کو صحیح اور راجح ثابت کرنے کی ناکام و مذموم کوشش ہے ورنہ اس سے قطع نظر اگر مقتضائے شریعت اور قرآنی سیاق و سباق کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اصل منتہائے احسان یہ ہے کہ اسی طرح بدلہ لیا جائے چنانچہ امام حزم فرماتے ہیں:

"وھذا صحیح وغایۃ الاحسان فی القتلۃ ھو ان یقتلہ بمثل ما قتل ھو وھذا ھو عین العدل والانصاف والحرمات قصاص" محلی ص ۳۷۵ ج ۱۰)

اور بالخصوص جب موصوف خود تلوار جیسے آہنی آلہ کو قصاص میں آلہ قتل تسلیم کرتے ہیں تو پھر

شرعی ہدایت کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔

قولہ اکراہ تام میں فعل جبر کرنے والے کی طرف ان تمام صورتوں میں منسوب ہوگا جن کے اندر مجبور شخص صرف ایک آلہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہو اور جن کے اندر صلاحیت نہ رکھے ان صورتوں میں فعل مجبور کی طرف منسوب ہوگا یعنی جماع اور اقوال کے اندر مجبور آلہ بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہے اس لیے کہ کوئی دوسرے کے منہ سے کلام نہیں نکلوا سکتا۔ (دفعہ ۱۱)

اقول دراصل موصوف کو اکراہ تام وغیرہ کی تعریف سے مغالطہ ہوا ہے ورنہ ہر ایک جانتا ہے کہ اکراہ کا تحقق جماع اور کلام میں بھی ممکن ہے ورنہ اکراہ کی اصطلاح ختم کرنا ہوگی اور کسی کے ہاتھ سے کوئی قتل اور چوری وغیرہ کیسے کروا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر یا مبسوط الایضاح اور الوافی وغیرہ میں اکراہ کی جو تعریف کی گئی ہے ان میں یہ لفظ مشترک ہے کہ:

"واما فی اصطلاح الفقهاء فقد ذکر فی المبسوط ان الاکراه اسم لفعل يفعله المرء بغيره فينتفي به رضاه اويفسد به اختياره من غير ان ينعدم به الاهلية فی حق المكره" فتح القدیر ج ۷ ص ۲۹۲)

اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ خصوصی توجہ کے محتاج ہیں کہ اس تعریف کے پیش نظر جماع و اقوال میں جب انتفاء رضا یا فسد اختیار بغیر انعدام صلاحیت کے ممکن ہو تو ان پر اطلاق اکراہ یا اس کا تحقق کیوں ناممکن ہے؟ اور خود قاضی صاحب اس تعریف کی یوں ترجمانی فرماتے ہیں۔ "اکراہ تام ہو یا ناقص اس سے مجبور کی رضا ختم ہو جاتی ہے۔"

علاوہ ازیں اقوال سلسلہ میں ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ کلام الٰہی میں بھی اکراہ کا اطلاق ہوا ہے۔ یعنی " ومن اكره وقلبه مطمئن بالایمان"۔ اس آیت کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے غالباً اسی وجہ سے علامہ ابن الہمام حنفی نے اس آیت کو بطور استشہاد پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔ "فان اكره على الكفر بالله تعالىٰ والعياذ بالله اوسب رسول الله صلى الله عليه وسلم بقيد اوحبس اوضرب لم يكن ذلك اكراها حتى يكره بامر يخاف منه على نفسه وعلى عضو من اعضائه" (فتح القدیر ج ۷ ص ۲۹۹)

موجب اکراہ کی تفریق تو یہاں اگرچہ ناقابل فہم ہے تاہم دیکھنا یہ ہے کہ کیا کفر کا اطلاق قول پر بھی ہوتا ہے یا نہیں اور اسی طرح کیا سب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی قول کے علاوہ تحقق پذیر

ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ یقیناً اس کا جواب جب اثبات میں ہے جیسا کہ موصوف نے دفعہ ۱۳ میں تسلیم کیا ہے تو پھر موصوف کا یہ کہنا کہ افزال میں نسبت مجبور کی طرف ہو گی علمی بے مائیگی ہی کا مظہر ہو گا۔

اور دوسری صورت یعنی جماع میں اگرچہ آلہ تناسل کا انتشار و استادگی مشعر بالرضا ہے لیکن یہ بھی محض سطحیت ہے اور یقیناً عدم رضا کی شرط یا شق بھی تعریف اکراہ میں اس قسم کے سطحی ذہن کے اطمینان کے لیے رکھی گئی ہے لیکن موصوف کے وسعتِ مطالعہ پر آپ جتنی داد دیں کم ہے کہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اکراہ علی الجماع کی ایک صورت میں تو تمام کا اتفاق ہے جس کی نسبت سلطان کی طرف ہو گی۔ البتہ غیر سلطان میں اختلاف ہے لیکن اس میں بھی صرف امام ابو حنیفہؒ ہی منفرد ہیں۔ چنانچہ علامہ عبد الرحمٰن الجزیری اس تفصیل کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ومن اکرہ السلطان حتی زنا بامراۃ فلاحد علیہ لان العیب الملجی الی الفعل تام وھو قیام السیف وکذا المراۃ المکرھۃ لا تحد بالاجماع فان حصل الاکراہ من غیر سلطان اختلف فیہ .... الشافعیۃ والمالکیۃ والحنابلۃ والصاحبان قالوا لایقام الحد علی المکرہ بغیر سلطان.

(الفقہ علی المذاھب ص ۵-۷)

یعنی ائمہ ثلاثہ کے علاوہ امام محمد اور قاضی ابو یوسف کے نزدیک بھی امور بالا میں اکراہ متحقق و معتبر ہو گا۔

قولہ اکراہ ناقص سے وہ اکراہ مراد ہے جس میں قتل نفس، قطع عضو یا اعضاء یا کل مال لینے سے کم درجہ کی دھمکی دی گئی ہو اور ایسی صورت میں عمل کرنے پر حد مجبور پر ہو گی اور جابر کو محض تعزیری سزا ہو گی"۔ (دفعہ ۱۱)

اقول کیا دو تہائی مال پر اکراہ کا اطلاق نہ ہو گا ! تحفظ عزت بھی اکراہ ناقص کے تحت غیر معتبر ہو گا ؟ حبس دوام بھی اکراہ کے دائرے میں شامل نہیں ؟ اور کیا ضرب شدید سے بھی اکراہ تام کا تحقق ممکن نہیں ؟ اور کیا ان کا غم اضطرار کو واجب نہیں کرتا ؟ علاوہ ازیں موصوف فرماتے ہیں " اکراہ کی یہ قسم ان امور میں موثر ہو گی جو رضا پر موقوف ہیں، حالانکہ جب موصوف ہی کے اعتراف کے مطابق اکراہ ناقص سے بھی رضا معدوم ہو جاتی ہے تو پھر اس نوٹ کا کیا مقصد باقی رہ جاتا ہے ؟

اکراہ سے اباحت اس چیز میں اختلاف نہیں کہ اکراہ سے محرمات کی اباحت بھی مشعر ہوتی ہے کہ " الا من اکرہ " اور " الا ما اضطررتم الیہ " کے

الفاظ کا یہی تقاضا ہے۔ قاضی موصوف فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسی اباحت پر عمل نہ کرے تو گنہگار ہو گا یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہیں کیا۔ اور اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ (ملخصاً)

لیکن یاد رہے یہاں مسئلے کی صورت ارتکاب اباحت اور عزیمت کے انتخاب سے متعلق ہے چنانچہ اگر کوئی شخص ارتکاب اباحت کرتا ہے تو بھی درست اور اگر کوئی عزیمت و استقلال کا مظاہرہ کرتا ہے تو اسے گنہگار کہنا یقیناً گنہگار ہونے کے مترادف ہے کہ ایسی صورت میں ان صحابہ و ائمہ رضوان اللہ علیہم کے متعلق کیا خیال ہو گا، جنہوں نے ارتکاب اباحت پر عزیمت کو ترجیح دی۔ اس موقع پر موصوف نے غیر شعوری طور پر صحابہ کرام کی گستاخی کا ارتکاب کیا ہے جس پر انہیں معافی مانگنی چاہیے۔

علاوہ ازیں موصوف تشریح ۳ میں خود فرماتے ہیں، جرائم پر اکراہ کے مقابلے میں عزیمت کا مظاہرہ کرنا چاہیے کیونکہ کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے سے بہتر ہے کہ خود کو خاطر پیش کر دیا جائے۔ حالانکہ وہ بھی ارتکاب اباحت میں شامل ہے۔ اور پھر کیا فرماتے ہیں قاضی باغ بیچ اس مسئلہ کے کہ اگر کسی شخص کو مجبور کیا جائے کہ تم فلاں معین شخص کو قتل کرو۔ لیکن وہ اس کے قتل کے عوض اپنے آپ کو قتل کر لیتا ہے (آپ کے ارشاد کے مفہوم کے مطابق) کیا وہ شہید ہو گا یا خودکشی کا مرتکب۔ بینوا توجروا۔

قولہ مجبور مقتول مورث کی وراثت سے محروم نہ ہو گا اور جابر محروم ہو گا اور یہ اختلاف مذکورہ اختلاف کی نسبت پر مبنی ہے۔ (ملخص دفعہ ۱۳)

اقول جب یہ بات نصاً ثابت ہو چکی ہے کہ اکراہ کی صورت میں نسبت فعل جابر کی طرف ہو گی تو یقیناً مجبور محروم از وراثت نہ ہو گا اور جابر کی طرف تحقق نسبت کی بنا پر وہ شرعاً وراثت مقتول سے محروم ہو گا۔ کیونکہ موانع وارث میں یہ بھی شامل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"من قتل قتيلا فلا يرثه وان لم يكن له وارث غيره وان كان والده او ولده فليس للقاتل ميراث"۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:۔

"اجمع اهل العلم على ان قاتل العمد لا يرث من المقتول شيئا..."

(مغنی ج ۶/ ۱۶۱)

اور قتل خطاء میں بھی جمہور کا یہی مسلک ہے چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:۔

"فاما القتل خطأ فذهب كثير من اهل العلم الى انه لا يرث ايضاً نص عليه احمد ويروى ذلك عن عمر وعلى وزيد وعبد الله بن مسعود وعبد الله بن عباس وروى نحوه عن ابى بكر رضى الله عنهم وبه قال شريح وعروة وطاؤس وجابر بن زيد النخعى والشعبى والثورى وشريك والحسن بن صالح ووكيع والشافعى ويحيى بن آدم واصحاب الرائى"

(مغنى ج ۶ ص ۱۶۱)

اس کے بعد موصوف فرماتے ہیں کہ ہر قتل جو بغیر حق کے ہو وہ مانع ارث شمار ہو گا۔ ان کے الفاظ ہیں:۔

والقتل المانع من الارث هو القتل بغير حق وهو المضمون بقود او دية او كفارة كالعمد وشبه العمد والخطأ وما جرى مجرى الخطاء (ايضاً)

اس بحث کی تفصیل اور مانع ارث کی حیثیت سے جزوی اختلاف کی وضاحت اپنے مقام پہ بیان ہو گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

مولانا حکیم محمد ہبۃ اللہ (نظامیہ) لکچرر سٹی کالج حیدرآباد دکن

شِعرُ العرب

عربی شاعری پر کچھ لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مطلق شاعری کے متعلق ضروری امور درج کر دیے جائیں۔[1]

شاعری پر سب سے پہلی تالیف۔ غالباً ارسطو ہی نے سب سے پہلے "شاعری" پر ایک کتاب "بوطیقا" تصنیف کی ہے۔ جس کی تلخیص ابن رشد نے کی ہے اور اس کے کچھ حصے شیخو لویس نے اپنی کتاب علم الادب میں شامل کیے ہیں۔

تعریف۔ عام طور پر شاعری کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسے کلام موزوں کا نام ہے جو بالارادہ موزوں کیا گیا ہو۔ ابن رشیق نے بھی اپنی کتاب "العمدہ" میں اسی تعریف کی تائید کی ہے لیکن اکثر ادبا وزن اور قافیہ کو شعر کے لیے ضروری نہیں سمجھتے۔

جان اسٹورٹ مل کہتا ہے کہ جذبات کو برانگیختہ کرنے والی چیز شاعری ہے۔ اس کے خیال کے مطابق تصویر، تقریر، وعظ شعر میں داخل ہو جاتے ہیں، اس لیے شاعری کو اس طرح محدود کیا جاتا ہے کہ شاعری میں شاعر صرف اپنے آپ سے خطاب کرتا ہے اور تقریر و وعظ وغیرہ میں مخاطب حاضرین ہوتے ہیں۔ ارسطو کے نزدیک شاعری ایک قسم کی مصوری یا نقالی ہے۔ فرق یہ ہے کہ مصور صرف مادی اشیاء کی تصویر کھینچتا ہے اور شاعر جذبات و احساسات کی تصویر پیش کرتا ہے۔

مولوی حمید الدین صاحب نے جمہرۃ البلاغۃ میں لکھا ہے کہ شاعر کے لفظی معنی ذی شعور اور احساسات رکھنے والے کے ہیں۔ مختلف جذبات کی وجہ سے انسان مختلف حرکتیں کرتا ہے، کبھی ہنستا ہے کبھی روتا ہے اور کبھی موزوں الفاظ سے اپنے تاثرات ظاہر کرتا ہے۔

شاعری اور فلسفہ کا فرق۔ افلاطون نے "فلسفی" کو شاعر کہا ہے، افلاطون فیلسوف ہونے کے علاوہ

[1] اس مضمون کے لیے مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ العمدہ لابن رشیق۔ شعر العجم از علامہ شبلی۔ الوسیط۔ تالیف شیخ احمد سکندری و شیخ مصطفیٰ عنانی۔ کتاب حیوۃ الحیوان للدمیری۔ دیوان امیر تمیم بن المعز فاطمی۔ دیوان معری۔ دیوان متنبی۔ السبع المعلقات۔ مقدمہ دیوان حالی۔

شاعر بھی تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کائنات کا فلسفیانہ نظام خود ایک آرٹ ہے۔ بلکہ وہ آرٹ سے بھی ماوراء ہے اور شاعر ایک تکوینی ذہن رکھتا ہے، وہ فطرت اور واقعات دہر سے متاثر ہو کر دل کی بھڑاس نکالنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ کسی کے سمجھانے کے لیے نہیں بلکہ خود سمجھ کر چیخ اٹھتا ہے ؎

پھوٹ پڑتے ہیں تماشا اس چمن کا دیکھ کر ‌‌ ‌‌ نالۂ بے اختیارِ بلبلِ نالاں ہیں ہم

حقیقی اور بلند پایہ شاعر فیلسوف ہوتا ہے یوں تو بقول شوپن ہاٹر (SHOPEN HAUR) کے ہر انسان مابعد الطبیعاتی حیوان ہے۔ لیکن نہ ہر انسان شاعر ہے نہ ہر شاعر فلسفی۔

وہ شاعر جو نظم نگاری ہی کی حد تک محدود نہیں بلکہ جس پر اسرار کائنات خود بخود منکشف ہوتے ہیں جو بنایا نہیں جاتا بلکہ پیدا ہوتا ہے وہ اپنے اندر کائنات کے متعلق حقیقت بینی کی وہی صفت رکھتا ہے جو ایک فلسفی کا حصہ ہوتا ہے۔ ٹے نی سن نے ایک پھول دیکھ کر کہا تھا کہ اگر کوئی اس کو پوری طرح سمجھ لے تو وہ خدا، اپنی ذات اور کائنات کی ماہیت سے واقف ہو جائے گا۔ "ہر ورق دفتر لیست معرفت کردگار" ابونواس کہتا ہے وکل شیئ لہ ایۃ - تدل علی انہ واحد۔

فلسفہ دراصل ہمہ گیر توجیہ یا دوسرے الفاظ میں حسب امکان بشری حقائق کائنات کے معلوم کرنے کی کوشش کا نام ہے۔ فلسفی انتہائی علل واسباب معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کو ایک مسلسل جستجو رہتی ہے۔ وہ عالم طبعی (مادیات، احیات، ذہن، سماج، حکمت اور اقدار کے وسیع موضوع میں کام کرتا ہے۔ یقیناً فیلسوف کا کام بہ نسبت شاعر کے بہت زیادہ ہے (اقبال)

جہاں داری سے ہے مشکل تر کارِ جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

فلسفی حقائق کو خشک پیرایہ میں بیان کرتا ہے اور سمجھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن اگر حقائق کو ایسے دلچسپ اور جذبات کے ابھارنے والے پیرایہ میں بیان کرنا ہو تو شاعری کی ضرورت ہوتی ہے۔

شاعری کے امتیازات ۔ ۱۔ شاعر کسی کے سمجھانے کے لیے نہیں چلاتا بلکہ خود سمجھ کر چیختا ہے۔

۲۔ شاعر، فلسفی یا مورخ کی طرح چیز کے ہر پہلو کو دیکھ کر مستقل رائے قائم کرنے کا ذمہ دار نہیں اس لیے ممکن ہے کہ شاعر ایک چیز کی تعریف کرے اور اس کی مذمت بھی اور ممکن ہے کہ وہ ایک اچھی چیز کی مذمت کرے اور بری چیز کی تعریف۔ الغرض شاعر کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر چیز کو من حیث الحقیقیا حسب الواقع پیش کرے۔

"بخار کی حقیقت طبیب کے نزدیک عفونتی یا جراثیمی انز کا نتیجہ ہے جس سے بدن کی حرارت بڑھ جاتی ہے اور لرزہ پھریری شروع ہوتے ہیں اور جب اس کی نوبت ختم ہو جاتی ہے تو پسینہ آتا ہے۔ لیکن شاعر (متنبی) کہتا ہے۔

وَزَائرتی کَاَنَّ بِھَا حَیَاءً — فَلَیسَ تَزُوْرُ اِلَّا فِی الظَّلَامِ

بَذَلْتُ لَھَا الْمَطَارِفَ والحَشَایَا — فَعَافَتْھَا وَبَاتَتْ فِی عِظَامِی

یضیق الجلد عن نفسی وعنھا — فتوسعہ بانواع السقام

اراقب وقتھا من غیر شوق — مراقبۃ المشوق المستھام

ویصدق وعدھا والصدق شر — اذا القاك فی الکرب العظام

ابنت الدھر عندی کل بنت — فکیف وصلت انت من الزحام

ایک میری ملاقات کرنے والی ہے جو بوجہ حیا و شرم کے صرف شب ہی کو تشریف لاتی ہے۔ اس کے لیے میں تو شک (چادر وغیرہ) پیش کرتا ہوں تو وہ اس کو ناپسند کرتی ہے اور میری ہڈیوں میں شب گزارتی میری جلد میں میری جان اور اس ملاقاتی کے لیے گنجائش نہیں ہے اس لیے وہ قسم قسم کی بیماریوں سے میرے جسم کو گھلاتی اور جلد کو وسیع کرتی ہے مجھے اس کے وقت کا عاشق مشتاق کی طرح انتظار رہتا ہے لیکن رغبت سے نہیں وہ وعدہ کی سچی ہے اور ایسی سچائی سے تو بری ہی بھلی جس سے آدمی مصیبتوں میں مبتلا ہو جائے۔ اے زمانہ کی صاحبزادی زمانہ کی تمام بیٹیاں (مصائب) میرے پاس موجود ہیں بلکہ مجھے تعجب ہے ان بیٹیوں کے اژدحام میں سے آپ کو میرے تک رسائی کا راستہ کیسے مل گیا۔

اگر ایک آدمی کو قتل کیا یا سولی پر لٹکا دیا تو یہ منظر کس قدر بھیانک ہو گا لیکن ابو الحسن انباری المتوفی ۳۲۸ھ آج سے ایک ہزار سال پہلے وزیر ابو طاہر کا مرثیہ کہتا ہے جس کو عضد الدولہ نے قتل کروا کے سولی کا حکم دیا تھا اور اس کریہہ منظر کی تعریف کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس قصیدہ کو سن کر عضد الدولہ رشک کرنے لگا کہ کاش مجھے سولی دی جاتی اور یہ مرثیہ میری ہی شان میں ہوتا۔

عُلُوٌّ فی الحیاۃ وفی الممات — لَحَقٌّ انت احدی المعجزات

کان الناس حولك اذ اقاموا — وُفُودُ نَدَاكَ اَيَّامَ الصِّلَاتِ

کَاَنَّكَ قَائِمٌ فیھم خطیبًا — وکُلُّھُم قِیَامٌ للصَّلٰوۃ

مددت یدیك نحوھم احتفاءً — کمدھما الیھم بالھبات

ولما ضاق بطن الارض عن ان ... یضم علاک من بعد الممات

اصاروا الجو قبرک واستعاضوا ... عن الاکفان ثوب السافیات

لعظمک فی النفوس تبیت ترعی ... بحراس وحفاظ ثقات

وتوقد حولک النیران لیلا ... کذلک کنت ایام الحیاۃ

رکبت مطیۃ من قبل زید ... علاها فی السنین الماضیات

وتلک قضیۃ فیها تأس ... تباعد عنک تعییر العداۃ

ولم ار قبل جذعک قط جذعا ... تمکن من عناق المکرمات

اسأت الی النوائب فاستثارت ... فانت قتیل ثأر النائبات

علیک تحیۃ الرحمن تتری ... برحمات غواد رائحات

(ترجمہ) زندگی میں بھی بلندی اور مرنے کے بعد بھی بلندی، واقعی تو ایک زبردست معجزہ ہے۔ گویا کہ لوگ تیرے اطراف تیرے عطیوں کے حاصل کرنے والی جماعتیں جو ایام تقسیم میں جمع ہوتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو کھڑے ہو کر خطبہ پڑھ رہا ہے اور سب لوگ نماز کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ تو نے ان کی طرف اپنے ہاتھ ایسے پھیلائے ہیں جیسے کہ بخشش دیتے وقت پھیلاتا تھا۔ چونکہ آغوش زمین تیری وسیع بلندیوں کے لیے تنگ ہے تیرے لیے فضا کو قبر بنانا پڑا اور بجائے کپڑوں کے چلنے والی بیکراں ہواؤں کو کفن بنایا گیا۔ تیرے اطراف تیری شان و شوکت کے خاطر ایک محافظین کی معتبر جماعت معین کی گئی اور جس طرح ایام زندگی میں مہمان نوازی کی آگ جلائی جاتی تھی، تیرے اطراف آج بھی آگ جلائی گئی ہے، تو اس سواری پر سوار ہوا جس پر گزشتہ سالوں میں حضرت زید بن علی جیسی مقدس ہستی بلند ہو چکی ہے اور یہ ایک ایسی مثال ہے کہ جس کے بعد نکتہ چینیوں کے لیے کوئی موقع باقی نہیں رہتا، ہم نے آج سے پہلے کسی درخت کے تنہ کو مجسم شرافتوں سے معانقہ کرتے نہیں دیکھا۔ تجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام اور رحمت کے صبح و شام برسنے والے ابر برستے رہیں

زمین کا زلزلہ یا بھونچال کتنی خوفناک چیز ہوا کرتی ہے۔ لیکن شاعر کے تخیل میں اپنے ممدوح کے عدل و انصاف سے طرب میں آکر ملک کی سرزمین کا سر دھنتے یا رقص کرنے کا نام ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

ما زلزلت مصر من کید یراد بها ... وانما رقصت من عدله طربا

چاند کا ابر میں چھپ کر آنکھوں سے اوجھل ہو جانا معمولی بات ہے، لیکن شاعر کہتا ہے کہ ماہ کامل میرے ممدوح کے چہرہ کی آن بان چمک دمک دیکھ کر اتنا شرمندہ ہوا کہ اس کو ابر میں جا کر منہ چھپانا پڑا۔

ادی بدر السماء یلوح حینا ویبدو ثم یلتحف السحابا
وذالک لانہ لما تبدی فابصر وجھک استحیا وغابا

۳۔ شاعر بادشاہ کا نام لے کر پکار سکتا ہے اس کو اس کی ماں کی طرف منسوب کرتا ہے جو دوسرے مواقع میں خلاف تہذیب سمجھا جائے گا۔

۴۔ نظم کے مقبول، مشہور، محفوظ ہونے کا جتنا امکان ہے اتنا نثر کے لیے نہیں، چنانچہ یہ مسلم ہے کہ بہ نسبت نظم کے قدماء عرب نے نثر بہت کہی ہے لیکن نثر کے دس قطعات بھی محفوظ نہ ہو سکے۔ اور نظم سے شاید دس نظمیں بھی ضائع نہ ہو سکیں۔

۵۔ آرٹ کی سات قسموں یعنی موسیقی، شاعری، سنگ تراشی، رقص، معماری، مصوری، خوشنویسی کی طرف یوں ہی طبیعت کا میلان زیادہ ہوتا ہے اور ہر ایک میں دلکشی پائی جاتی ہے۔ اور موسیقی جو سب سے زیادہ محرک اور جذبات کو ابھارنے والی شے ہے اور جس سے روح نہایت مست ہو جاتی ہے، کلام موزوں کا ایک ضروری جزء ہے اس لیے فن شاعری کو جو فضیلت اور اہمیت و مقبولیت حاصل ہے ظاہر ہے۔

۶۔ شعراء کے ہاتھ میں قوم کی باگ ہوتی ہے، جدھر چاہتے ہیں قوم کو جھونک سکتے ہیں۔ میدانِ جنگ میں رجز کے چار مصرعے جو کام کر سکتے ہیں جنگی باجے نہیں کر سکتے۔ ذہنیت کے بدلنے یا جدید ذہنیت کی تخلیق میں شاعری کو جو دخل ہے وہ دوسری کسی چیز کو بھی نہیں۔ استقلال و ثبات کی تعلیم کتابوں سے اس قدر نہیں ہو سکتی۔ جتنی شاعری سے ہو سکتی ہے۔

۷۔ شاعر کے لیے فخریہ کلام جائز ہے۔

۸۔ شاعر سب کچھ کہہ جاتا ہے لیکن قابلِ مواخذہ نہیں ہوتا۔ اس کے قول و عمل میں توافق لازمی نہیں چنانچہ ایک شاعر رند مشرب پرہیزگاروں کی سوسائٹی کا ایسا صحیح نقشہ پیش کرتا ہے کہ خود پرہیزگار بھی پیش نہیں کر سکتا اور ایک متقی پرہیزگار شاعر جس نے تقویٰ اور ورع کے حلقہ سے باہر قدم نہیں رکھا رند اور اوباشوں کا ایسا چربا اتار سکتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعر کسی میخانہ کا زبردست پیرِ مغاں ہے۔

۹۔ شاعری سے بعض گمنام شخصیتوں کو وہ شہرت حاصل ہوئی کہ ہمیشہ کے لیے ان کا نام بلند ہو گیا اور بعض بلند ہستیوں یا قبیلوں کو شاعر نے اتنا گرایا کہ ہمیشہ کے لیے ان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ شماخ بن ضرار نے عرابۃ کی شان میں یہ شعر کہا۔

إِذَا مَا رَايَةٌ رُفِعَتْ لِمَجْدٍ تَلَقَّاهَا عَرَابَةُ بِالْيَمِينِ

ترجمہ۔ عظمت و بزرگی کا کوئی نشان بلند کیا جاتا ہے تو عرابہ اس نشان کو فوراً اپنے سیدھے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔

عرابہ کا نام اس شعر کی وجہ سے عرب میں مشہور ہو گیا اور آج تک یہ مصرع ضرب المثل ہے۔

عرب میں محلق ایک گمنام شخص تھا لوگ ان کے ساتھ صمدھیانہ کرنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ اعشی نے میلہ عکاظ میں ایک قصیدہ پڑھا۔ تمہید کے بعد یہ شعر تھے۔

لَعَمْرِي لَقَدْ لَاحَتْ عُيُونٌ كَثِيرَةٌ إِلَى ضَوْءِ نَارٍ بِالْيَفَاعِ تُحَرَّقُ

تُشَبُّ لِمَقْرُورَيْنِ يَصْطَلِيَانِهَا وَبَاتَ عَلَى النَّارِ النَّدَى وَالْمُحَلَّقُ

(ترجمہ) میری زندگی کی قسم اس آگ کی طرف جو بلند مقام میں جلائی جاتی ہے بہت سی آنکھیں دیکھ رہی ہیں، دو سردی زدہ اشخاص کے لیے یہ جلائی گئی ہے جو اس سے مستفید ہوئے ہیں اور آگ کے پاس محلق" اور سخاوت شب گزارتے رہے" اس کے بعد محلق کی بیٹیاں شرفاء عرب کے مشہور افراد کے ساتھ بیاہی گئیں۔

نمیر ایک مشہور قبیلہ تھا، اس قبیلہ کے افراد بڑے ناز سے اپنا نمیری ہونا بیان کرتے تھے۔ غرور کے لہجہ میں بھاری آواز سے نمیر کا نام لیتے تھے اس قبیلہ کے ایک فرد سے جریر کو رنجش ہو گئی۔ گھر آکر اپنے فرزند سے کہا، آج چراغ میں تیل زیادہ رکھنا اس قبیلہ کی ہجو کہنا ہے۔ ہجو شروع کی جب یہ شعر قلم سے نکلا۔

فَغُضَّ الطَّرْفَ إِنَّكَ مِنْ نُمَيْرٍ فَلَا كَعْبًا بَلَغْتَ وَلَا كِلَابَا

جریر اچھل پڑا اور کہا کہ "واللہ اخزیتہ آخر الدھر" خدا اس شخص کو ہمیشہ کے لیے رسوا کر دیا۔ اب یہ نوبت پہنچی کہ اگر کسی نمیری سے اس کا خاندان دریافت کیا جائے تو نمیر کا نام نہ لیتا۔ بلکہ دو چار پشت چھوڑ کر اوپر کی پشتوں کا نام بتاتا۔ شاعر کے مقبول ہونے پر قبائل عرب میں شاندار دعوتیں اور جشن ہوتے تھے کیونکہ شاعر سے ان کی عزت کی حفاظت ان کے شاہکار کی یاد اور ان کی شہرت وابستہ ہوتی تھی۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان اور عرب کی تعریف و تاریخ پر مختصر نوٹ پیش کیا جائے۔

لغت عربیہ۔ دنیا کی زبانوں کی جڑ تین بسیط زبانیں ہیں، آرین۔ سامی۔ منگولی۔ عربی سامی زبان کی ایک مقبول اور وسیع فصیح ترین شاخ ہے، جو ایشیا کے مغربی حصہ جزیرہ نمائے عرب میں پرورش پائی، اور اسلام کے بعد مذہبی سردار ہونے کی وجہ سے اسلام کے اشاعت اور توسیع کے ساتھ ساتھ تمام عالم میں پھیل گئی۔

عربی کی شاخوں میں جنوبی شاخ بہت زبردست ہے۔ اس کا مرکز یمن تھا۔ شمالی شاخ بھی مختلف قبائل کی طرف منسوب تھی۔ ان سب شاخوں میں قریش کی زبان فصیح ہے جن کے مطابق قرآن مجید نازل ہوا، اور یہی زبان خلافت راشدہ اور زمانہ مابعد میں علمی اور زندہ زبان قرار دی گئی اور علوم فنون کا سرمایہ اس زبان میں منتقل ہو گیا۔ اقوام عالم کی تاریخ بھی اسی زبان میں محفوظ کی گئی۔ اور ہنوز عرب، عراق، شام، مصر، الجزائر، مراکش اور زنجبار کے لوگوں کی زبان ہے، اور اس وقت مجلس اقوام کی مسلمہ زبان بھی ہو چکی ہے۔

امتہ عربیہ۔ قدماء اور متاخرین (محدثین) کے دو بڑے حصوں میں منقسم ہے۔ قدماء وہ لوگ ہیں جو جزیرہ نمائے عرب کے اصلی باشندے ہیں، ان کے تین طبقے ہیں۔

(الف) **عرب بائدہ۔** اس طبقہ کے تاریخی حالات ہم تک نہیں پہنچے۔ سوائے ان حالات کے جو قرآن مجید و احادیث سے معلوم ہوئے اور یہ جدیس۔ عاد، ثمود۔ عمالقہ، عبدضخم کے قبائل پر مشتمل ہے۔

(ب) **عرب عاربہ۔** یہ قحطان کی وہ اولاد ہیں جو فرات کے کناروں کو چھوڑ کر یمن میں جا بسے کہلان اور حمیر اس طبقہ کے دو مشہور قبیلے ہیں۔

(ج) **عرب مستعربہ۔** یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں جنھوں نے بعد میں عدنان کے نام سے شہرت پائی اس طبقہ کے مشہور قبائل ربیعہ مضر۔ ایاد و انمار ہیں۔

دوسرا حصہ، محدثین یا متاخرین کا ہے جو اسلام کے بعد بحر اخضر اطلانٹک اوشن سے ماوراء بحر فارس تک اور دجلہ فرات کے بالائی حصوں سے لے کر ماوراء جاوا و سوماطرہ تک پھیلے ہوئے ہیں اور مختلف لہجے رکھتے ہیں۔

عربی شاعری کے ادوار۔ عربی شاعری زمانہ کے لحاظ سے پانچ دور میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔

۱۔ دور جاہلیت۔ جس کی مدت ڈیڑھ سو سال رہی اور جو اسلام کے شروع پر ختم ہوا۔

۲۔ دورِ اوائل اسلام۔ یہ ظہورِ اسلام سے شروع ہو کر خلافتِ عباسیہ کے آغاز تک رہا۔ جس میں خلافتِ امویہ کا زمانہ شامل رہے گا یعنی ۱۳۲ھ تک۔

۳۔ دورِ عباسی۔ خلافتِ عباسیہ کے قیام سے شروع ہو کر تاتاریوں کے ہاتھ پر ان کے زوال تک قائم رہا یعنی ۶۵۶ھ تک، اس دور میں مصر کی فاطمی خلافت کا زمانہ اور اندلس کی امویہ حکومت کا دور شامل ہے۔

۴۔ سلطنت ترکیہ۔ سقوطِ بغداد سے لے کر نئی روشنی کے دور کے شروع تک یعنی ۱۲۲۰ھ تک۔

۵۔ دورِ مستشرع۔ یا نئی روشنی یہ مصر میں محمد علی کے خاندان کے حکومت کے آغاز سے ۱۲۵۶ھ کے آخر تک۔

دورِ جاہلیت (ڈیڑھ سو سال تا ظہورِ اسلام)

عربی شاعری کی ابتداء "رجز" سے ہوئی جو دو چار شعر سے زائد نہ ہوتی تھی۔ سب سے پہلے جس شخص نے قصیدہ کہا وہ مہلہل بن ربیعہ ہے۔ یہ قصائد ان کے مقتول بھائی کی مرثیہ خوانی اور اس کے قصاص کے لیے تحریص و ترغیب پر مشتمل تھے۔ مہلہل پہلا شخص ہے جس نے تیس شعر کا قصیدہ کہا۔ مہلہل کا اصلی نام "عدی" تھا، چونکہ اس نے قصیدے کہے اس وجہ سے اس کا نام مہلہل ہو گیا۔ "ہلہل الثوب" کی معنی کپڑے بننے کے ہیں۔

مہلہل کے بعد امرؤ القیس۔ علقمہ، عبید، پیدا ہوئے، اس سے پہلے شاعری رجزیہ اشعار یا مقطعات تک محدود تھی جن کے لیے عنبر بن عمر بن تیم درید بن زید بن نہد اعصر بن سعد بن قیس عیلان زہیر بن خباب الکلبی افوہ اودی اور ابی دواد الایادی کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ ان کا زمانہ مہلہل سے کچھ زیادہ دور نہ تھا۔

اس میں شک نہیں کہ ان شاعروں سے پہلے بھی ایسے افراد ہو چکے ہوں گے جنھوں نے سجع سے رجز اور رجز سے مقطعات اور مقطعات سے قصائد نظم کرنے کی ترقی کی ہو، امرؤ القیس خود کہتا ہے۔

عُوجا علی الطلل المحیل لاننا تبکی الدیار کما بکی ابن خذام

تباہ شدہ کھنڈرات کے نشانوں پر رونے کے لیے ذرا ٹھہر جاؤ، ہم بھی ابن خذام کی طرح دو آنسو بہا لیں۔

ما اراناً نقول الا معاراً   او معاداً من لفظنا مکروراً

ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف کہے ہوئے الفاظ کی تکرار یا اعادہ سے زیادہ نہیں۔ عنترہ کہتا ہے کہ

هل غادر الشعراء من متردم   أم هل عرفت الدار بعد توهم

شعراء نے کہنے کے لیے کوئی گنجائش نہیں رکھی ہے یا کچھ غور و خوض کے بعد گھر کے نشانات سمجھ میں آگئے۔

شاعری کا استعمال۔ اس دور کی شاعری حسب ذیل عنوانوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔

تشبیب یا غزل۔ جس میں جنس لطیف کے محاسن کیفیات اور ان کے سفر اور قیام گاہوں کا ذکر ہوتا ہے، چونکہ عرب اس دور میں ایک خانہ بدوش آزاد قوم رہی اور ان کے قبائل کی قیام گاہوں کا دار و مدار پانی کی موجودگی پر تھا۔ ان کا تمام سرمایہ اونٹ تھا، اور ان کے بہادرانہ شاہکاروں کے لیے شہسواری نہایت اہم تھی، پہاڑوں اور چٹیل میدان اور وہاں کے مختلف پہاڑی درختوں اور پھولوں کے مناظر ان کا ماحول تھا۔ اس لیے اس دور کی غزل میں انھیں اشیاء کا ذکر ملے گا۔

مفاخرہ۔ اس میں خاندانی کارنامے جو اکثر خودداری، شجاعت، سخاوت، مہمان نوازی، ایفائے وعدہ کے بے نظیر شاہکار ہوتے تھے، ذکر کیا جاتا تھا

مدح۔ یہ صنف اس دور کے آخری زمانہ کی پیداوار ہے، ورنہ مدح اور خوشامد جاہلیت کے عربوں کے اوصاف اور اصول کے بالکل خلاف ہے۔ شروع میں ممکن ہے کہ کسی محسن کے احسانات کے معاوضہ میں بطور تشکر یہ کچھ اشعار کہہ دیے گئے ہوں۔ اس فن کے علمبردار زہیر، نابغہ اور اعشیٰ ہوئے۔ مدح میں ممدوح کے ذاتی و خاندانی خصائص۔ وجاہت عقل، عفت، شجاعت اور اخلاق کو بیان کیا جاتا تھا۔

مرثیہ۔ کسی مرنے والے کی خوبیوں کو بیان کیا جاتا ہے، ایسے مرثیوں میں بڑے بڑے بادشاہوں، ملکوں اور قبائل کے نام و نشان مٹ جانے۔ جانوروں، شیروں کے مرجانے اور طویل العمر حیوانات سانپ، گدھ وغیرہ کے بالآخر ہلاک ہونے کا بھی ذکر ہوتا ہے۔

ہجا۔ اس میں کسی آدمی کے ذاتی و خاندانی نقائص کو گنایا جاتا ہے، لیکن اس دور میں زیادہ فحش و لاف گزاف کی حد تک یہ فن نہ پہنچا تھا۔

اعتذار۔ شاعر اپنے اوپر لگے ہوئے الزام کی صفائی پیش کرتے ہوئے اپنے خفا ہونے والے ممدوح

کو منانے کی کوشش کرتا ہے۔

وصف تحریری شاعری۔ یعنی کائنات کی کسی چیز کی تشریح اور کسی منظر کو دلچسپ پیرایہ میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے۔ یا تو اس چیز کو بہت مرغوب بنا کر پیش کیا جائے، یا اس کو بھیانک صورت اور مکروہ منظر میں بیان کیا جائے۔ اس دور میں اونٹ، گھوڑے، درندے۔ شکار، حشرات الارض نباتات، آسمان، تارے، بارش، بجلی، پہاڑ، چٹیل میدان، گرجا اور ربیعی قیام گاہیں اور ان کے بقیہ نشانات گرجا، راہب کے مینار وغیرہ اس فن کے موضوع رہے۔ اسی طرح انسان کے بعض کیریکٹر بھی بیان کیے گئے ہیں۔

حکیمانہ۔ اس دور میں ایسا کلام کھانے میں نمک کی طرح بہت کم ملتا ہے۔ لیکن جو ملتا ہے وہ نہایت سادہ، مختصر مقبول اور مؤثر سچائی کے قالبوں میں ڈھلا ہوا۔

خیالات

۱۔ اس دور کی شاعری میں معانی صاف اور اکثر حقیقت واقع کے مطابق ملتی ہیں۔

۲۔ مبالغہ اور غلو سے احتراز کیا گیا ہے۔

۳۔ دقیق و غریب مفہوم بہت کم۔ نہ تو تشبیہوں میں جدت یا نہ استعارے، کنایات حسن تعلیل وغیرہ کا بھی پتہ نہیں ملتا۔

الفاظ و اسالیب

۱۔ الفاظ پوری طرح سے مفہوم کو ادا کرتے ہیں۔ ۲۔ الفاظ میں شان و شوکت پائی جاتی ہے۔ ۳۔ چند ایسے قدیم عربی الفاظ ملتے ہیں جو بعد میں متروک ہو گئے۔ ۴۔ مجاز، معتدل طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ ۵۔ اجنبی زبانوں کے الفاظ شاذ و نادر ملتے ہیں۔ ۶۔ صنائع و بدائع یعنی جناس۔ مقابلہ مطابقت، وغیرہ نہیں پائے جاتے۔ ۷۔ پیرایہ سنجیدہ ہوتا ہے۔ ایجاز کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اس دور کے شعرا کے مشاہیر

طبقہ اول۔ امرؤ القیس۔ زہیر۔ نابغہ۔

طبقہ ثانیہ۔ الاعشی۔ لبید طرفہ۔

طبقہ ثالثہ۔ عنترہ۔ عمر بن کلثوم۔ حارث بن حلزہ۔ عروہ بن ورد۔ درید بن صمہ۔ مرقش اکبر۔

دوسرا دور اسلامی (از ظہور اسلام تا ۱۳۲ھ)

بوجہ نزول قرآن مجید و ثقافت اسلامیہ کے اس دور کی شاعری میں انقلاب ہوا۔

شاعری کا استعمال

۱۔ مذہبی عقاید کی ترویج۔ ۲۔ جنگ اور بہادرانہ مقابلوں کے لیے تحریص و ترغیب۔ ۳۔ ہجاء۔ ۴۔ وقائع نگاری۔ ۵۔ مدح۔ ۶۔ پاکبازانہ تعشق و تغزل۔

خیالات

بلحاظ خیالات کے اس دور کے شعراء زیادہ تر جاہلی شعراء ہی کے نقش قدم پر چلتے رہے، البتہ جدید اسلامی تہذیب کا رنگ اور اس کا اثر کچھ نمایاں رہا۔

الفاظ و اسالیب

الفاظ و اسالیب میں بھی اس دور کی شاعری کا رنگ جاہلیت کے شعراء کا رنگ رہا۔ سنجیدگی اور جاذبیت میں کچھ ترقی ہوئی۔

شعراء کے مشاہیر۔ کعب بن زہیر، خنساء، حطیئہ، حسان بن ثابت، نابغہ جعدی۔ عمرو بن معدی کرب۔ عمرو بن ابی ربیعہ۔ اخطل۔ فرزدق۔ جریر۔ کمیت۔ جمیل۔ کثیر۔ نصیب۔ راعی۔ ذوالرمّہ۔

تیسرا دور عباسی (از ۱۳۲ھ تا ۶۵۶ھ تک)

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہی دور اسلامی ترقیوں، فتوحات اور اسلامی تہذیب و حضارت کا ممتاز زمانہ رہا ہے۔ عربی زبان میں تمام علوم و فنون منتقل ہوئے۔ تاریخ عالم منضبط کی گئی۔ مختلف تمدنوں سے عرب کو سابقہ پڑا۔ جغرافیائی نقطۂ نظر سے عربی زبان دنیا کی کثیر آبادیوں تک پہنچی اور عربی شاعری عالم کے مختلف تاریخی و جغرافیائی، تمدنی خلط ملط سے بے حد متاثر ہوئی۔

شاعری کا استعمال حسب ذیل اغراض کے تحت رہا۔ ۱۔ خاندانی کارناموں پر مفاخرت مذہبی سیاسی علمی کاموں میں تقابل۔ سیاسی اغراض کے تحت شاعری کا پرچار۔ خاص طور پر بنی امیہ کے خلفاء نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔

۲۔ خوشامدی اسالیب کا اختیار۔ ۳۔ رندانہ شاعری جس میں شراب کی تعریف۔ بزم نشاط۔ ساقی مطرب اور شاہد پرستی، گانے کی توصیف وغیرہ شامل ہے۔ ۴۔ وصف نیچرل شاعری، چنانچہ باغات، چمنوں کے مناظر، فطرت کی صناعیوں کی تشریح، شکار اور دیگر لطیف تشبیہات وغیرہ۔ ۵۔ وعظ، حکمت و فلسفیانہ اقوال۔ ۶۔ بعض علوم و فنون کے قواعد کو بغرض آسانی حفظ نظم کرنا۔

خیالات۔ ۱۔ متفکرانہ توجیہ۔ ۲۔ فرضی خیالات کا تصور۔ ۳۔ تشبیہات میں جدت، استعارے، حسن تعلیل

کے لیے نئے نئے پیرائے۔ ۴۔ فلسفیانہ نکات، اور مذہبی اصول ثابت کرنے کے لیے بہترین دلچسپ طرز۔

الفاظ و اسالیب۔ الفاظ غریبہ کا ترک استعمال۔ ۲۔ عجمی الفاظ کی زیادتی۔ ۳۔ پیرایہ کی لطافت لیکن الفاظ کی شوکت کے بقا کے ساتھ۔ ۴۔ صنائع بدائع میں جدید اختراعات اور ان کی کثرت۔

مشہور شعراء۔ بشار، ابو نواس، مسلم، ابو العتاہیہ۔ ابن الرومی۔ ابو تمام بحتری۔ ابن المعتز۔ ابن ہانی امیر تمیم۔ ابو فراس۔ ابو العلاء المعری شریف رضی۔

چوتھا دور ترکی حکومت کا (از ۶۵۶ھ تا ۱۲۲۰ھ)

اس دور میں چونکہ اکثر اسلامیہ ممالک کی زمام سلطنت عجمی بادشاہوں کے ہاتھ آچکی تھی۔ اس لیے عربی شعراء کی سرپرستی میں بہت کمی ہو گئی۔ نیز اس زمانہ سے شعر گوئی کو کسب مال و جاہ کا ذریعہ بنانا موقوف ہو گیا۔ نیز صوفیانہ رنگ چھا گیا۔

شاعری کا استعمال۔ نعتیہ قصائد دربار رسالت سے۔ التجا۔ مناجات بہ بارگاہِ رب العزت ۲۔ اولیائے کرام کی مدح۔ ۳۔ صوفیانہ شاعری۔ ۴۔ غیر حقیقی غزل، اور بجائے محبوبہ کے محبوب کا ذکر، جو ایرانی شاعری کا پرتو تھا اور صوفیانہ مذاق کی وجہ سے اکثر علماء و مشائخ نے اس طرز کو رائج کیا تھا۔ ۵۔ بدائع صنائع کی خاطر غزلیات و مقطعات کا کہنا۔ ۶۔ نیچرل شاعری رہٹ، تکیہ، فرش، جانماز، پنکھا، چھری، دوات، چراغ۔ بخور دانی وغیرہ چیزوں پر طبع آزمائی۔ ۷۔ رندانہ شاعری۔ ۸۔ فحش ہجو۔ ۹۔ پہیلیاں (معمے)

خیالات۔ نازک خیالی، ضرب المثل اور فلسفیانہ نکات میں جدت پیدا کرنے کی بجائے صرف تشبیہ اور استعارات کے استعمال پر زور دیا گیا۔

الفاظ و اسالیب۔ ۱۔ صرف آسان الفاظ کا استعمال، چنانچہ پرشوکت لفظ کا استعمال بھی ترک ہوا، بلکہ عامی اور ترکی الفاظ بھی استعمال ہونے لگے۔ ۲۔ آسان ترکیب اور عامی مثلوں کا استعمال۔ ۳۔ صنائع بدائع پر زور دیا گیا خصوصاً فن توریہ اور جناس پر۔ ۴۔ تصغیر بے نقط، یا صرف نقطہ دار الفاظ کا استعمال لزوم مالا یلزم مالا یستحیل بالانعکاس کی صنعتیں۔ تاریخی مادے۔ ۵۔ مشہور اشعار کی تضمین تشطیر۔ تخمیس۔ ۶۔ اقتباس۔

مشہور شعراء۔ شیخ شرف الدین انصاری متوفی ۶۶۲ھ۔ ابن جمال الدین۔ شہاب الدین تلعفری المتوفی ۶۷۵ھ ابن الوردی المتوفی ۶۸۷ھ امام بوصیری۔ ابن حجۃ المتوفی ۸۳۷ھ، صفی الدین حلی

فخر الدین بن مکانس المتوفی ۷۹۴ھ۔ ابن معتوق۔

پانچواں دور نئی روشنی (۱۲۲۱ھ سے ۱۳۵۶ھ تک)

اس دور میں مغربی تہذیب کا اثر اور مادہ پرستی کی طرف میلان سیاسی ہیجان جدید فلسفی و طبیعی نظریے اور اختراعات وایجادات نیز مختلف اقوام کا گہرا ربط وضبط یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جن سے شاعری بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

عربی ممالک خاص طور پر شام اور مصر میں امیر مبلغین کی مساعی یورپ کے مستشرقین کی کوششیں یہ سب امور ایسے پیدا ہو چکے ہیں جن سے عربی شاعری میں ایک جدید انقلاب نمایاں ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ اس دور کے نصف اول تک تو سخت جمود رہا اور شاعری میں کوئی ترقی نہ ہو سکی لیکن موجودہ دور میں عربی ممالک کی پھر لغت فصحیٰ کی طرف توجہ شروع ہوئی اور نئے نئے شاعر پیدا ہوئے۔

استعمال:۔ ۱۔ فطرتی مناظر، وجدانات، جذبات پر طبع آزمائی ہونے لگی۔ ۲۔ جدید آلات ریل بجلی ٹیلیفون وغیرہ پر اشعار کہے گئے۔

اسالیب:۔ موجودہ دور کے کلام میں بدیع جناس کی کمی کی گئی اور سادگی کی طرف رجوع کیا گیا چنانچہ اس صدی کے اکثر شعرا نے چوتھی پانچویں صدی کے شعراء کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔

شعراء:۔ محمود سامی بارودی، حفنی ناصف بک، شوقی شیخ شہاب۔

میں نے بوجہ طوالت جغرافیائی لحاظ سے عربی شاعری پر تبصرہ نہیں کیا۔ حالانکہ اس لحاظ سے بھی عربی شاعری پر کافی کچھ لکھا اور کہا جا سکتا ہے، خاص طور پر یمن، حجاز، شام، مصر، ہند، عراق، اندلس وغیرہ کے شعرا کے درمیان اپنے ممالک کے رسم ورواج اور عقائد کے لحاظ سے بہت کچھ فرق پایا جا سکتا ہے۔ نیز رعایا اور بادشاہوں اور شاہی افراد کی شاعری میں بھی بہت کچھ فرق ہو سکتا تھا۔ اب ہم عربی شاعری کو پانچ عنوانوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور ہر عنوان کے تحت ان ضروری خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جن سے عربی شاعری کا درجہ اور امتیاز معلوم ہو سکے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔ جو یہ ہیں غزل۔ فخر۔ مدح۔ وصف، حکیمانہ۔

غزل:۔ عربی شاعری میں سب سے زیادہ غزلیات پائی جاتی ہیں چنانچہ مطلق غزلیات کو نظر انداز بھی کر دیں تو مدحیہ قصائد بھی اکثر غزل ہی سے شروع ہوتے ہیں۔

۱۔ عربی زبان میں غزل مسلسل ہوتی ہے۔ جس میں محبوب کا سراپا یا وصل وہجر کا واقعہ یا کوئی دلچسپ

واردات مفصل طور پر بیان کی جاتی ہے

ابی ابن ربیعہ :

لیت ھند اانجزتنا ماتَعِدُ — وَشَفَتْ اَنْفُسَنَا مِمَّا نَجِد
واستبدّت مرۃ واحدۃ — انّما العاجز من لا یستبد
وَلَقَدْ قالت لجارات لھا — ذات یوم وتعرت تبترد
اکما یَنْعَتُنِی تُبْصِرْنَنِی — عمرکن اللہ امرلا یقتصد
فتضاحکن وقد قلن لھا — حسن فی کل عین مَن تود
حَسَدًا حُمِّلْنَہُ من احلھا — وقدیما کان فی النّاس الحسد

کاش کہ ہند اپنا وعدہ پورا کرتی اور ہماری روحانی تکلیفوں کا علاج کر دیتی یکمرتبہ خود نمائی وخودداری ظاہر کرنے لگی ہے شک خودداری نہ کرنا تو عاجزی کا کام ہے۔ ایک روز اپنے کپڑے اتارے ہوئے تھی اور ہوا کھا رہی تھی اپنی سہیلیوں (پڑوسنوں) سے کہنے لگی، تمھاری جان کی قسم کیا میں واقعی ایسی ہی حسین ہوں، جیسا کہ میرا عاشق تعریف کرتا ہے یا وہ کچھ مبالغہ کرتا ہے، سب ہنس کر کہنے لگیں کہ چاہنے والے کی آنکھ میں اپنے محبوب کی ہر چیز قابل تعریف ہی ہوتی ہے" اور یہ صرف حسد سے کہا اور قدیم زمانے سے حسد تو چلا آتا ہے۔

امیر تمیم :-

عانقتُ لامُ صدغھا صادکشی — فَاَرَتْھا الْمِرْاۃُ فی الخدّ لِصَّا
فاسترابت بمارات ثُمّ قالتْ — اکتابا اری ولم اَرَ شخصا
ودعتنی لمحوہ فتمکّنتُ — مِنَ الْوَجْنَتَیْنِ لَمْسًا وقرصا
ثُمّ قالت الا امحہ محومَن — یجھد فی محوہ ومن یتقصّی
قُلْتُ بالقسط یمحی قالت اقسُطْ — بالثّنایا واتّبع القسط مصّا
قُلْتُ اِنّ الّذی اُمِرْتُ بہ نحو — ضٌ علینا مؤکد لیس یُعْصیٰ
وَدَاَتْ اَنْ مَا محوت فقالت — کان لِصّا فصار واللہ فصّا
قلت ان الفصوص تُطبع — باللثم علی خد کل من کان رخصا

(ترجمہ) اس کے زلف کے لام سے میرے چومنے کا صادہم آغوش ہوا یعنی میں نے اس کا بوسہ لیا، آئینہ میں دیکھنے سے اس کے رخسار پر نشان نظر آیا، وہ اس سے جھینپی اور مشکوک نگاہ

سے کہا کہ کیا بات ہے کہ کچھ کتابت کا نشان سا نظر آ رہا ہے لیکن لکھنے والے کا تو پتہ نہیں مجھے بلایا اس نشان کے مٹنے کی فرمائش کی۔ میں نے دونوں رخساروں کو اچھی طرح چوما اور کاٹا۔ کہنے لگی اس کو ایسا مٹا دو کہ جس کے مٹانے میں پوری کوشش صرف کرنے کا پتہ چلے۔ میں نے کہا کہ اس کو تو چھیل کر مٹایا جا سکتا ہے۔ اس نے کہا ہاں دانتوں سے چھیل دو، اور پھر چوس لو، میں نے کہا کہ یہ ایسا فرمان ہے جس کی تعمیل فرض ہے اور اس میں فروگذاشت جائز نہیں، میرے مٹانے کے بعد اس نے اس کے نشان کو دیکھا تو کہنے لگی کہ یہ نشان تھا اب تو نگینہ بن گیا، میں نے کہا بے شک ایسے نگینے ہی بذریعہ بوسے نرم رخسار پر بنائے جاتے ہیں۔

ایضاً ۔

شَبَّهْتُهَا بِالبَدْرِ فَاسْتَضْحَكَتْ وَقَابَلَتْ قَولی بِالنُّكْرِ

وسَفَّهَتْ قولی وقالت متی سُمِّجْتُ حتّٰی صِرْتُ کالبدر

والبدر لا یرنو بعین کما آرنو ولا یَبْسِمُ عن ثغر

ولا یُمیط المِرطَ عن ناهِدٍ ولا یشدّ العقد فی نحر

من قاس بالبدر صفاتی فلا زال اسیرا فی یدی هجر

(ترجمہ) میں نے محبوبہ کو چاند سے تشبیہ دی، اس نے ہنس کر میرے قول کی تردید شروع کی، اس نے میرے کلام کا مذاق اڑایا اور کہنے لگی، اتنی میں کب بدمذاق ہوگئی کہ چاند جیسی بن گئی۔ نہ تو چاند میری طرح آنکھ سے ناز و انداز کی نظر ڈال سکتا ہے اور نہ میری طرح دانت دکھا کر مسکرا سکتا ہے۔ اور نہ ابھرے ہوئے سینہ سے چادر ہٹاتا ہے اور نہ سینہ کو مالا سے مزین کرتا ہے جو میرے اوصاف کا چاند سے مقابلہ کرنا چاہتا ہے وہ ہمیشہ فراق کے ہاتھوں پابہ زنجیر رہا کہ اس نے میری اس قدر تحقیر کی۔

البهاز ہیر المتوفی ۶۵۶ھ

یُعَاهِدُ فِی لا اخا نتی ثم ینکث واحلف لا کلمتہ ثم احنث

وذلک دابی لا یزال ودا بہ فما معشر الناس مسمعوا وتحدثوا

اقول سہ صلنی بقولہم غداً ویکسو جفنَاهَا دِ ثَما بی ولبعث

وما ضرّ بعض الناس لو کان زارنی وکنّا خلونا ساعۃ نتحدّث

امولای انی فی هواک معذب وحتام یبقی فی العذاب وامکث

فخلا مرة ددحی ترحمنی ولم اکن امُوتُ مرارًا فی النھار واُبعَث

وانی لھذا الضیم منك لحامل ومنتظرٌ لطفًا من الله یحدث

اعیذك من ھذا الجفاء الذی بدا خلائقكَ الحسنی ادق واَدْمَثُ

تودد ظن الناس فینا واکثروا اقاویل منھا ما یطیب ویُخبُث

وقد کرمت فی الحب منی شمائلی وسال عنی من اراد و یبحث

ترجمہ۔ وہ مجھ سے معاہدہ کرتا ہے کہ مجھ سے بیوفائی نہ کرے گا پھر عہد شکنی کرتا ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اس سے کبھی نہ بولوں گا۔ پھر قسم توڑ دیتا ہوں یہ میری اور اس کی مسلسل عادت ہے، اے لوگو! سنو اور بتاؤ، میں اس سے وصل کی درخواست کرتا ہوں اور وہ کہتا ہے کہ کل، اور آنکھ مار کے میرا مذاق اڑاتا ہے۔ وہ اگر مجھ سے ملے یا تنہائی کا موقع دے تو کسی کا جی کیوں جلتا ہے۔ میری سرکار میں آپ کے عشق میں معذب ہوں، کب تک اس عذاب میں رہوں ایک ہی مرتبہ مجھے مار ڈالو، تاکہ آرام کی نیند سو جاؤں۔ یہ کیا مصیبت ہے کہ دن میں کئی بار مرتا ہوں اور پھر زندہ کیا جاتا ہوں میں نے آپ کے یہ ظلم سہے اور اب خدائے تعالیٰ سے مہربانی کا منتظر ہوں۔ آپ جیسے خوش اخلاق ہستی سے ایسی جفا کیوں ہو رہی ہے، لوگ میرے بارے میں مختلف اچھی باتیں کہتے ہیں لیکن آپ کی محبت میں میرے خصائل منزہ ہیں جس کو چاہے اس کی تحقیقات کرے۔

۲۔ عرب کا معشوق عفت وعصمت کا حرم نشیں ہوتا ہے وہاں تک رسائی مشکل ہوتی ہے اگر وہاں رخ کریں تو تلواروں کا سامنا ہوتا ہے، چنانچہ متنبی کہتا ہے۔

دیار اللَّواتی دارُھُنَّ عزیزةٌ بسمر القنا یُحفَظن بالتمائم

میں ان حرم نشینوں کے گھر کا ذکر کرتا ہوں جن کی رہائش گاہیں گندم گوں نیزوں کے ذریعے محفوظ ہوتی ہیں نہ کہ تعویذوں سے۔

عرب میں محبوبہ کے ایسے محافظوں کو رقیب کہتے ہیں، الغرض عرب کے عاشقانہ جذبات مناسب پرجوش شریفانہ اور سچے ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف ایرانیوں کا محبوب شاہد بازاری ہوتا ہے۔ جو ہر ایک کے ہاتھ لگ سکتا ہے اس کے چاروں طرف عشاق کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔

۳۔ عربی غزلیات میں خودداری اور عزت نفس کے جذبات قائم رہتے ہیں۔ عرب کا عاشق طالب ہے، گدا نہیں، جانباز ہے، غلام نہیں، آمادہ مصائب ہے لیکن ذلیل نہیں۔ وہ معشوق سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

فلا تحسبی انی تخشعت بعدکم ولا انّنی بالمشی فی القید اخرق

ترجمہ۔ یہ خیال نہ کرنا کہ تمھارے بعد میں ذلیل ہو گیا اور نہ یہ کہ پاؤں کو زنجیر میں بندھا پاکر اپنے وقار کے خلاف حرکت کرتا ہوں۔

لیکن ایران کا شاعر اپنے آپ کو ذلیل قرار دیتا ہے۔ عاشق کی گلی کا کتا کہتا ہے۔

۴۔ فارسی شاعری میں معشوق حسنِ صورت کے لحاظ سے جس قدر بے مثل و بے نظیر ہے اسی قدر اخلاق کے لحاظ سے دنیا کے تمام عیوب کا مجموعہ ہے، وہ جھوٹا ہے، بد عہد ہے۔ ظالم ہے، سفاک ہے، مکار ہے، دغاباز ہے، فتنہ گر ہے، حیلہ ساز ہے، شریر ہے، کینہ پرور ہے، نہایت احمق ہے ہر ایک کی بات مان لیتا ہے، اور ہر ایک کے قابو میں آجاتا ہے۔

فخریہ۔ شعرائے عرب صاحب تیغ و علم ہوتے ہیں، اس لیے انھوں نے اپنے معرکے لکھے اور فخریہ قصائد نظم کیے، عمر بن ہند نے یہ معلوم کیا کہ عرب میں عمرو بن کلثوم کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں جس کی ماں عمرو بن ہند کی ماں کی اطاعت و خدمت سے انحراف کرے۔ **عمرو بن ہند** اور اس کی ماں نے قبیلہ کے ممتاز افراد کو دعوت دی، زنانہ دعوت خانہ میں عمرو بن ہند کی ماں نے عمر بن کلثوم کی ماں سے کسی چیز کی طرف اشارہ کرکے اس کے اٹھالانے کو کہا۔ عمر بن کلثوم کی ماں 'واتغلبا'، ہائے تغلب کہہ کر چیخی، عمر بن کلثوم اور اس کے ساتھیوں نے تلوار نیام سے کھینچ لی۔ عمر بن ہند کا سر قلم کر لیا اور ایک مشہور قصیدہ کہا جو کعبہ میں آویزاں کیا گیا اور اس کو معلقات کی فہرست میں درج ہونے کا شرف حاصل ہوا کہ اس قصیدہ سے قبیلۂ تغلب میں شجاعت بہادری، دلیری بڑھ گئی جو کئی سو سال تک قائم رہی، یہ قصیدہ اس قبیلہ کے بچہ بچہ کو یاد تھا۔

الا ھُبی بصحنك فاصبحینا ولا تبقی خمور الاندرینا

ابا ھند فلا تعجل علینا وانظرنا نخبرك الیقینا

بانا نورد الرایات بیضاً ونصدرھن حُمراً قد رُوینا

بای مشیۃ عمرو بن ھند تکون لقیلکم فیھا قطینا

بای مشیۃ عمرو بن ھند تُطیعُ بنا الوشاۃ وتزدرینا

اَلَا لا یجھلن احد علینا فنجھل فوق جھل الجاھلینا

اذا بلغ الفطام لنا صبی تخرّلہ الجبابر ساجدینا

ترجمہ: اپنا ساغر نکالو اور صبوحی شراب کا دور چلنے دو، اندرین کی شراب سب ختم کر ڈالو۔

اے پدر ہند جلد بازی سے کام نہ لو۔ ہم کو مہلت دو۔ ہم تم کو حقیقت سمجھا دیں گے کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ اپنے سفید نشانوں کو لے کر جنگ پر جاتے ہیں اور سرخ اور خون سے سیراب ہو کر پلٹتے ہیں۔ عمر بن ہند تو نے کس خیال سے چغلخوروں کا کہنا مان کر ہم کو حقیر سمجھا۔ خبردار کوئی بھی ہمارے ساتھ جہالت کا برتاؤ نہ کرے ورنہ ہم ان کی جہالت کا جہالت سے جواب دینے کو تیار ہیں۔

جب ہمارا بچہ شیر خواری کا زمانہ ختم کرتا ہے تو اس کے سامنے بڑی بڑی زبردست ہستیوں کو سرنگوں ہونا پڑتا ہے۔ علامہ شبلی کہتے ہیں کہ غور کرو شعراء فارس اس کے مقابلہ میں کس چیز پر فخر کر سکتے ہیں، نظامی، عرفی نے بڑے زور کے فخریے لکھے ہیں لیکن فخر کی ساری کائنات یہ ہے کہ ہم اقلیم سخن کے بادشاہ ہیں۔ الفاظ اور حروف ہمارے باجگزار ہیں۔ مضامین ہمارے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ اس سے آگے بڑھے تو یہ کہہ دیا کہ ہم پری پیکر ہیں چنانچہ عرفی کہتا ہے ؎

سربر زدہ ام بامہ کنعاں زیک جیب	معشوق تماشا طلب و آئینہ گیرم
میگویم و اندیشہ ندارم ز ظریفاں	من زہرۂ زا معشر گر و من بدر منیرم

ایرانی شاعر ہمیشہ غلام رہے۔ غلامی میں پلے وہ اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے پیدا ہوئے۔ شعر ۸۳-۸۴، صفی الدین حلی، المتوفی سنہ ۷۵۰ھ

سل الرماح العوالی عن معالینا	واستشهد البیض هل خاب الرجا فینا
لقد سعینا فلم تضعف عزائمنا	عما نروم ولا خابت مساعینا
قوم اذا استخصموا کانوا فراعنة	یوما وان حکموا کانوا موازینا
اذا ادعوا جاءت الدنیا مصدقة	وان دعوا لابیا مرا مینا
انا لقوم ابت اخلاقنا شرفا	ان نبتدی بالاذی من لیس یوذینا
بیض صنائعنا سود وقائعنا	خضر مرابعنا حمر مواضینا

بلند نیزوں اور سفید تلواروں سے ہمارے بلند کارناموں کے متعلق دریافت کرو، کہ کیا کبھی ہم سے جو توقعات تھیں اس میں ناکامی ہوئی۔ ہم نے کوشش کی اور ہمارے پختہ ارادے مقصد کے حصول میں کبھی کمزور نہ ہوئے اور نہ ہماری کوششیں ناکام رہیں۔ ہم ایسی قوم ہیں کہ اگر ہم کو فریق بنایا گیا تو ہم فرعون تھے اور کسی کا جواب نہیں دیا۔ لیکن اگر خود ہم پر فیصلہ چھوڑ دیا گیا تو ہم عدل کی ترازو ثابت ہوئے۔ اگر ہم نے کوئی دعویٰ پیش کیا تو دنیا نے اس کی تصدیق کی اور اگر ہم نے دعا کی تو زمانہ کو آمین کہنا پڑا۔ الغرض جو دعویٰ کیا ثابت کر کے چھوڑا، اور جو امید کی گئی پوری کی گئی۔ ہمارے شریفانہ اخلاق

سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ ہم ایسے لوگوں کو تکلیف دیں یا ان کو چھیڑیں جو ہم کو تکلیف نہیں دیتے۔ ہمارے کارنامے روشن، ہمارے واقعات بہت خطرناک، ہماری رہائش گاہیں سرسبز اور ہماری تلواریں خونِ اعداء سے سُرخ ہیں۔

عنترہ عبسی المتوفی ۶۱۵ء

حکّم سُیُوفَکَ فی رِقابِ العُذّلِ — واذا نزلت بدار ذُلٍّ فارحلِ

واذا الجبان نهاك يوم كريهة — خوفاً عليك من ازدحام الجحفل

فاعص مقالته ولا تحفل بها — واقدام اذا حق اللقا فی الاول

واختر لنفسك منزلا تعلو به — او مت كريما تحت ظل القسطل

وبذابلی ومهندی نلت العلا — لا بالقرابة والعديد الاجزل

لا تسقنی ماء الحياة بذلة — بل فاسقنی بالعز كاس الحنظل

ماء الحيوة بذلة كجهنم — وجهنم بالعز اطيب منزل

نکتہ چینوں کی باتوں کی پروانہ کر، ان کو تو تلوار سے قتل کردے اور جب کسی ذلت کے مقام پر قیام کیا ہو تو وہاں سے کوچ کردے۔ جب بزدل تجھے جنگ کے روز فوج کشی سے روکے اس خوف سے کہ تو ہلاک ہو جائے تو اس کے قول کی مخالفت کر اور اس کی پرواہ مت کر، اور جب جنگ مقرر ہو جائے تو صف اول میں رہ اور آگے بڑھ۔ اپنے آپ کے لیے ترقی کی کوشش کر یا جنگ میں جان دے دے، میں نے جو ترقیاں کیں وہ صرف اپنی تلوار اور نیزے کے بل پر کیں نہ کہ کسی رشتہ داری یا بڑی فوج کی مدد سے۔ ذلت کے ساتھ تو میں آبِ حیات بھی پینے کو تیار نہیں اور عزت کے ساتھ تو اندرائن کا جام بھی پی لوں، آبِ حیات ذلت کے ساتھ دوزخ ہے اور دوزخ میں بھی اگر عزت حاصل ہو تو وہ خوشگوار مقام ہے۔

مدح - عرب مدحیہ اشعار کہنا عار سمجھتے تھے۔ شروع شروع ہی کسی محسن کے احسان کے شکریہ میں چند اشعار کہہ دیے جاتے تھے۔ جیسا کہ امرؤ القیس نے بنی تیم کی مدح میں کہا ہے جو اس کے محسن معلی کا خاندان ہے کیونکہ معلی نے اس کو منذر بن ماء السماء سے پناہ دی تھی جو امرؤ القیس سے بدلہ لینا چاہتا تھا، جس نے اس کے بھائیوں کو دیر مزینا کے واقعہ میں قتل کیا۔

اقر حشا امرء القیس بن حجر — بنو تیم مصابیح الظلام

اس شعر کی وجہ سے بنی تیم "مصابیح الظلام" کے نام سے موسوم ہوئے۔ نابغہ پہلا شخص ہے جس

نے مدحیہ قصائد کہنا اور انعام حاصل کرنا شروع کیا۔ زہیر بن ابی سلمی نے بھی ہرم بن سنان کی مدح کی اور ہرم نے اس کو بہت نوازا۔ اعشی نے اس کو پیشہ بنا لیا اور عرب کے سرداروں کے علاوہ شاہان عجم کے دربار تک پہنچا اور انعامات و صلے حاصل کیے۔ حطیئہ نے اس بارے میں شاعری کو نہایت درجہ گرا دیا لیکن پھر بھی مجموعی لحاظ سے عربی شعراء نے اپنی آن بان قائم رکھی اور مدحیہ اشعار کہنا عرب کے خود داری کے اصول کے خلاف رہا، چنانچہ ایک رئیس نے ایک عرب شاعر سے مدح کہنے کو کہا تو کہہ دیا۔ افعل حتی اقول "

عرب شعراء اکثر اس وقت مدح لکھتے تھے جب ممدوح کوئی زبردست معرکہ سر کرتا معتصم باللہ نے ایشیائے کوچک میں عموریہ فتح کیا تھا۔ چند روز کے بعد عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا اور ایک دن ایک عیسائی نے ایک مسلمان عورت کو پکڑا۔ عورت چلائی اور وامعتصما کہا (ہائے معتصم) یہ اطلاع دربار خلافت میں پہنچی۔ معتصم نے پوچھا عموریہ کدھر ہے۔ سمت بتلائی گئی اس سمت رُخ کر کے لبیک لبیک، کہا اور فوجوں کو تیاری کا حکم دیا، دربار کے بعض منجمین نے کہا یہ وقت روانگی کے لیے مناسب نہیں ہے اگر اس وقت فوج روانہ ہو گی تو شکست ہو گی۔ معتصم نہ مانا۔ ایک لاکھ سے زائد فوج لے کر نکلا اور عموریہ فتح کیا، عورت کی تلاش ہوئی جب سامنے آئی تو کہا کہ آج میں نے مزے سے کھانا کھایا، جب اس جنگ سے واپس آیا تو دربار میں منجم بھی تھا۔ ابو تمام نے یہ قصیدہ پڑھا۔

السیف اصدق انباء من الکتب — فی حدہ الحد بین الجد واللعب

والعلم فی شھب الارماح لامعۃ — بین الخمیسین لافی السبعۃ الشھب

تلوار بہ نسبت کتابوں کے زیادہ سچ بولتی ہے اس کی باڑھ سنجیدگی اور مسخرا پن کی حد فاصل ہے، علم برچھیوں اور نیزوں کے ستاروں کے چمکتے شعلوں میں چمکتا ہے نہ کہ سبعہ سیارہ میں۔

ہارون رشید کے زمانہ میں ایشائے کوچک عیسائیوں کے قبضہ میں تھا اور ان سے بطور خراج رقم وصول ہوتی تھی۔ جب نائس فورس تخت نشین ہوا تو اس نے ہارون الرشید کو لکھ دیا کہ میرے پہلے یہاں کی حکمران ایک عورت تھی اس سے طے شدہ معاہدات کا میں ذمہ دار نہیں میں خراج نہ دوں گا۔ ہارون الرشید نے یہ خط پڑھا تو بہت برہم ہوا۔ دربار کے لوگ منتشر ہو گئے ہارون الرشید نے فوراً صرف اتنا جواب لکھا۔

او سگ رومی، اس خط کا جواب سننے سے پہلے تو دیکھ لے گا" حملہ کی تیاری کی اور

لیشائے کوچک کے دارالسلطنت کو فتح کرکے واپس آیا۔ نائس نے پھر دوبارہ بغاوت کی کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ یہ اطلاع ہارون الرشید تک پہنچا سکے۔ بالآخر ایک شاعر نے دربار میں جاکر یہ قصیدہ پڑھا۔

نقض الذی اعطیتہ یقفور فعلیہ دائرۃ البوار تدور

ہارون الرشید نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا گیا ایسا ہوا ہے۔ شدت کے جاڑے تھے۔ لیکن اسی وقت فوجوں کو حکم دیا، وہاں پر ہرقل کی تصویر کھنچوائی اور اپنے تینوں بیٹوں کے نام لکھوائے ایک مہینہ تک محاصرہ کیا اور فتح کرکے واپس ہوا۔ درباری شعراء نے قصائد پڑھے۔

عرب اور ایران کی شاعری میں یہ مابہ الامتیاز چیز ہے کہ عرب کے مدحیہ قصائد وقائع نگاری سے مملو ہوتے ہیں اور اس پیرایہ میں واقعات لکھتے تھے، غرض جذبات میں تحریک اور آئندہ دلوں میں ایسے مہم کے سر کرنے کے ولولے پیدا ہو جاتے تھے۔ جس کی مدح کی جاتی تھی وہ اس کے مستحق ہوتے تھے اور مدح میں جو کہا جاتا تھا سچ ہوتا تھا۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں فارسی قصائد میں یہ شرطیں کبھی جمع نہیں ہوئیں، اولاً تو اکثر ایسے لوگوں کی مدحیں لکھی گئیں جو سرے سے مدح کے مستحق نہ تھے یا تھے تو ان کے واقعی اوصاف نہیں لکھے گئے بلکہ تمام قوت مبالغہ اور غلو میں صرف کی گئی۔ اکبر خانخاناں شاہجہان کے سینکڑوں معرکے تاریخی یادگار ہیں جن کے بیان سے مردہ دلوں میں جنبش پیدا ہو سکتی ہے، عرفی، نظیری، فیضی وغیرہ نے ان لوگوں کی مدح میں سینکڑوں پُر زور قصائد لکھے لیکن ان معرکوں کا کہیں نام تک نہ آیا۔

الغرض مدحیہ قصائد اقوام اور بہادرانِ قوم کے شاہکار اور ان کے کارناموں کے تاریخی اوراق ہوتے ہیں جو ان بہادروں اور کارگزار افراد کے کارناموں کو زندہ رکھتے اور مرنے والوں کو حیاتِ ثانیہ بخشتے ہیں۔

ترقی یافتہ قوموں کے شریفانہ اخلاق کو زندہ رکھنے والی چیز ان کے تاریخی واقعات کا زندہ رہنا ہے اور یہ نسبت خشک تاریخی قصوں کے یہ کام مدحیہ قصائد سے بہت خوبی سے انجام پاتا ہے، کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کے علاوہ یہ آنے والی نسل کے لیے باعث تحریک ہوتے ہیں کہ اگر ہم بھی دنیا میں کوئی کام کریں گے تو ہمارا نام بھی زندہ رہے گا۔

نیچرل شاعری (وصف) ارسطو کی تشریح کے مطابق شاعری مصوری ہے۔ بلکہ شاعری کا درجہ مصوری سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ مصور صرف مادی اشیا کی تصویر پیش کرتا ہے اور ممکن ہے کہ مصور اگر نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے تو کسی ایک عصبی تاثر یعنی نفسانی کیفیت رنج، خوشی، استعجاب

پریشانی بے تابی وغیرہ بھی تصویر سے ظاہر کر سکے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ جہانگیر کے سامنے ایک عورت کی ایسی تصویر پیش کی گئی تھی جس کے تلوے سہلائے جا رہے تھے اور گدگدی کا اثر اس کے چہرہ پر طاری تھا۔ تاہم تصویر سے گوناگون واقعات و حالات ظاہر کرنا مشکل ہے۔ خصوصاً غیر مادی امور انقلابات اور خیالات اور واقعات کے سلسلہ کو تصویر سے واضح کرنا ناممکن سا ہے بجز اس کے کہ فلمی صورت میں مجموعۂ تصاویر سے اس کو واضح کیا جائے جو موجودہ زمانہ کا نہایت ترقی یافتہ فن ہے، پھر بھی صرف خاموش تصویر اس کام کو پورا انجام نہ دے سکی۔ اور اس کے لیے شاعری و موسیقی کی ہم آہنگی ضروری معلوم ہوئی اور اب ناطق فلم نے اس فن کو مکمل کیا۔ عربی نیچرل شاعری شروع میں پہاڑوں کی بلندی، قافلوں کی روانگی، اونٹ، گھوڑے، سفر، قیام گاہوں کے کھنڈر وغیرہ کے بیان تک محدود رہی لیکن بعد میں چل کر مختلف چیزوں کی تشریح وصف کے لیے اس کا دائرہ وسیع ہوا ہے، یہاں تک کہ اس فن سے معموں کے فن نے جنم لیا۔

سری رفاء (ہلال)

وکانَ الہلالَ نونَ لجین غَرِقَتْ فی بحیرۃٍ زرقاء

چاند ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ چاندی کی مچھلی ہے۔ نیلگوں سمندر میں غوطہ لگا رہی ہے۔

امراؤ القیس (رات)

ولیل کموج البحر ارخی سُدُولہ علیّ بانواع الھموم لیبتلی

رات نے قسم قسم کے ہمّ وغم کے ساتھ اپنے پردے مجھ پر ڈال دیئے وحشت اور بھیانک پنے میں یہ رات سمندر کی موج کی طرح معلوم ہوتی ہے۔

(رات)

لیلتی ھذہ عروسٌ من الزنج علیھا قلائد العقیان

میری رات ایک حبشی کی دلہن معلوم ہوتی ہے جس پر موتیوں کے ہار ہیں۔

وسھیل کوجنۃ الحب فی اللو ن وقلب المُحبِّ فی الخفقان

ستارہ سہیل رنگ کے لحاظ سے رخسارِ معشوق جیسا سرخ اور جھپکنے میں عاشق کے دھڑکنے والے دل کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

گھوڑوں کی تیز اور نرم رفتار (متنبی)

یطأ الثری مترفقا من تیھہ فکأنّہ آسٍ یجسُّ علیلا

وہ زمین پر اپنے ناز و انداز سے اس طرح قدم رکھتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کوئی حکیم صاحب ہیں جو کسی بیمار کی نبض دیکھ رہے ہیں۔

ولو وطئت فی سیرها جفن نائم ۔۔۔ بأخمصها لم ینتبه من مناميه

وہ اپنی رفتار میں اپنے پاؤں اتنے سبک رکھتا ہے کہ اگر سونے والے آدمی کی پلکوں پر رکھے تو اس کی نیند میں خلل بھی نہ ہو۔

آگ۔

واتت یاقوتة مشبكة ۔۔۔ تطیر عنها قراضة الذهب

ایک شعلہ فشاں یاقوت ہے جس سے سونے کی چنگاری اڑ رہی ہے۔

عاشق کی لاغری کے متعلق

امیر تمیم:-

لو فتشو جسمی ما ابصروا ۔۔۔ غیر الاسی یسرح بین الثیاب

اگر میرے جسم کو تلاش کیا جائے تو معلوم ہوگا ایک مجسم رنج ہے جو کپڑوں میں ملفوف حرکت کر رہا ہے۔

متنبی

روح تخلل فی مثل الخلال فلو ۔۔۔ اطارت الریح عنه الثوب لم یبن

میری روح ایک خلال نما جسم کے درمیان ہے اگر ہوا سے کپڑے اڑ جائیں تو اس کا دکھائی دینا مشکل ہوگا۔ ایضاً

ولو قلم القیت فی شق رأسه ۔۔۔ من السقم ما غیرت فی خط کاتب

بیماری سے اتنا گھل گیا ہوں کہ اگر قلم کی زبان کے شگاف میں رکھ کر کاتب لکھنا چاہے تو خط میں کوئی تغیر واقع نہ ہوگا

پانی میں تاروں اور چاند کے عکس کا منظر۔ معرّی

به غرق النجوم فبین طاف ۔۔۔ وراس یستشر ولیستبان

اجد به غوانی الجن لعبا ۔۔۔ تاعجلها الصباح وفیه جان

قصیم نصفه فی الماء باد ۔۔۔ ونصف فی السماء به تزان

اس تالاب میں کچھ ستارے غوطے لگا رہے ہیں کسی کا سر پانی سے باہر آتا ہے، اور کسی کا

مرا اندر جاتا ہے۔

ہلال کا عکس جو پانی میں نظر آ رہا ہے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ شب میں پریوں نے پانی میں کھیل و کھینچا تانی کی، ہو گی۔ چنانچہ اس کشمکش میں ایک کنگن ٹوٹ گیا جس کا نصف پانی میں پڑا ہوا ہے اور نصف آسمان پر دکھ رہا ہے۔

تاروں اور ہلال کی دوسری تشبیہ۔ معرّی۔

کان الیل حاد بها ففیه	هلال مثلَ مَا انعطفَ السِنان
ومن اہر النجوم علیه دِرْعٌ	یُحَاذِرُ اَن لیمزقها الطعان
وقد بسطت الی الغرب الثریا	یداً اعَلَقَتْ بانملها الرهان
کان یمینها سرقتك شیئا	وَمَقْطُوعٌ علی السَّرقَ البنان

معلوم ہوتا ہے کہ رات اور ہمارے ممدوح کے لشکر کے درمیان جنگ ہو گئی تھی۔ اب یہ ہلال کسی کے نیزہ کا مڑا ہوا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے یہ کہکشاں کے تارے نہیں ہیں بلکہ رات کا ذرہ بکتر ہے اور رات بہت ڈر رہی ہے کہ اس کا یہ زرہ بکتر نیزہ کی انی سے پھٹ نہ جائے۔ ثریا مغرب کی طرف اپنا وہ ہاتھ بڑھاتا ہے جس کی انگلیاں کٹ گئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کچھ چرایا تھا جس کی سزا میں اس کی انگلیاں کاٹی گئی تھیں۔ یاد رہے کہ ثریا کے عربوں کے پاس دو ہاتھ ہیں ایک حنائی اور ایک کی انگلیاں کٹی ہوئی ہیں، کف خضیب۔ کف جذماء۔

ایک سانولی کی تعریف، شریف رضی متوفی ۴۰۶ھ

احبك یالون الشباب لاننی	رأیتکما فی القلب والعین توأما
سکنت سواد القلب انی کنت شبیهه	فلم اُدرِمن عِزٍ من القلب منکما

اے رنگ جوانی مجھے تجھ سے عشق ہے کیونکہ دل میں بھی یہی رنگ آتا ہے اور آنکھوں میں بھی یہی رنگ ملتا ہے۔ سواد قلب میں تو آکر بسی ہے کیونکہ تو اس کے مشابہ ہے، اب مجھے پتہ نہیں چلتا کہ دونوں میں سے دل کون ہے۔

جھپکنا۔ معرّی

یسرع اللمح فی احرار کما تُسرع	فی اللمح مُقلَةُ الغضبان

سرخی لیے ہوئے تارا بہت جلد جلد جھپکتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی غضبناک شخص کی آنکھ ہے۔

عاشق کا کھنڈر پر سوچتے کھڑے ہونا۔ (متنبی)

بُکَیتُ یلی الاطلال اِن لم اقِف بِها ۔۔۔۔ وُقُوفَ شَحیح ضاعَ فی الترب خاتمہ

کھنڈروں کی طرح مجھے بھی تباہی نصیب ہو اگر وہاں پر اس بخیل کے مانند جس کی مٹی میں انگوٹھی گم ہوگئی ہو۔ اور سوچتا ڈھونڈھتا کھڑا رہ کر یا در فتگان میں مصروف نہ ہو جاؤں۔

قوس قزح، سیف الدولہ

وساقٍ صبیح للصبوح دعوتہ ۔۔۔۔ فقامَ و فی اجفانہ سنۃ الغَمَضِ

یطوف بکاسات العقار کانجم ۔۔۔۔ فمن بین منقضّ علینا و منقض

وقد نشرت ایدی النجوم مطارفا ۔۔۔۔ علی الجو کنّا والحواشی علی الارض

یطرزھا قوسا سحاب باصفر ۔۔۔۔ علی احمر فی اخضر تحت مبیضّ

کاذیال خود اَقبلَتْ فی غلائل ۔۔۔۔ مصبغۃ والبعض اقصر من بعض

ایک خوبصورت ساقی کو میں نے بلایا اور وہ کھڑا ہوا حالانکہ اس کی آنکھوں میں غنودگی سی مستی تھی، دور شراب چل رہا تھا اور ساغر مانند تاروں کے نظر آرہے تھے جو آسمان سے یکے بعد دیگرے ٹوٹ رہے تھے۔ بادِ جنوب نے فضا پر کالی چادریں پھیلادی تھیں جس کے حاشیے زمین پر لٹک رہے تھے۔ قوس کی شکل میں ابر نے اسے سنوارا تھا۔ چادر کے کنارے پر قدرت نے سرخ سفید و سبز رنگ کی بیلیں ٹانک دی ہیں گویا کہ ایک عروس نازنین نے اون کے رنگین پیراہن پہن لیے ہیں جن کے دامن علی الترتیب ایک دوسرے سے چھوٹے ہوتے چلے گئے ہیں۔

شراب۔

رَقَّ الزُجَاجُ و رقت الخمر ۔۔۔۔ فَتَشا بھا فَتَشَا کل الاَمُر

فکانما خمر ولا قدح ۔۔۔۔ وکانما قدح ولا خَمُر

شیشہ جام بھی رقیق اور شراب بھی رقیق دونوں بالکل مشابہ ہیں گویا کہ شراب ہے اور جام غائب یا صرف جام بلا شراب۔

چمن میں نسیم کا چلنا۔ ذہبی (یوسف) متوفی ۶۸۰ھ

ھلم یا صاح الی رَوْضَۃٍ ۔۔۔۔ یَجْلُو بِھا العانی صدَا ھمّہ

نسیمھا یعثر فی ذیلہ ۔۔۔۔ وزھرھا یضحك فی کمہ

دوست چلو ایک چمن میں تو آؤ جہاں مصیبت زدہ کے ہم و غم کا زنگ دور ہو طبیعت صاف

ہو جاتی ہے۔ اس چمن کی باد صبا اپنے ہی دامن میں الجھ کر رہ جاتی ہے جس سے پھول اپنے شگوفہ دآستین میں مسکرا دیتا ہے۔

موسم بہار۔ بحتری ابو عبادۃ المتوفی ۲۸۴ھ

انا الربیع الطلق یختال ضاحکا — من الحسن حتی کاد ان یتکلما

وقد نبہ النیروز فی غسق الدجی — اوائل ورد کن بالامس نوما

یفتقھا برد الندی فکانہ — یبث حدیثا کان قبل مکتما

ورق نسیم الریح حتی حسبتہ — یجیئ بانفاس الاحبۃ نعما

موسم بہار کی آمد ہے جو ہنستے ہوئے اپنے حسن کے غرور سے بڑے نازو انداز سے چل رہی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب قریب ہے کہ بول اٹھے نیروز نے رات کی تاریکی میں گل کی پہلی صنف کو بیدار کر دیا جو کل تک نیند کا مزہ لے رہے تھے۔ شبنم کی ٹھنڈک انھیں کھلا رہی ہے گویا کہ وہ اس کو کوئی پوشیدہ راز کی بات کہہ رہی ہے جس سے وہ خوش ہو رہے ہیں۔ بادِ صبا اتنی نازک اور لطیف ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ دوستوں کے سانس پر مشتمل ہے۔

اولاد۔ معلی۔ ہارون رشید کے زمانہ میں مصر میں رہتا تھا۔

وانما اولادنا بیننا — اکبادنا تمشی علی الارض

ان ھبت الریح علی بعضھم — اشفقت العین من الغمض

بے شک ہماری اولاد ہمارے درمیان ہمارے لخت جگر ہیں جو زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی کو ہوا بھی مس کرے تو آنکھوں کے لیے بوجہ شفقت نیند حرام ہو جاتی ہے۔

فطرت کی نیرنگیاں۔ ابن سہیل اندلسی المتوفی ۶۴۹ھ

الارض قد بست رداء اخضرا — والطل نثر فی رباھا جوھرا

ھاجت نخلت الزھر کافورا بھا — وحسبت فیھا الترب مسکا اذفرا

وکان سوسنھا یصافح وردھا — ثغر یقبل منہ خدا احمرا

والنھر ما بین الریاض تخالہ — سیفا تعلق فی نجاد اخضرا

وجرت نصفقتھا الربا فحسبتھا — کفا ینمق فی الصحیفۃ اسطرا

والطیر قد قامت بہ خطباؤہ — الم تتخذ الا الارکۃ منبرا

زمین سبز پوش ہے جس پر شبنم نے جواہرات بکھیر دیے ہیں۔ یہ منظر ولولہ خیز ہے۔ پھول کافور

کا مزہ دے رہے ہیں اور وہاں کی مٹی سے تیز مشک کی بو آ رہی ہے۔ گل سوسن گلاب سے مصافحہ کر رہا ہے یا یوں کہیے گل کے گلابی رخسارہ پر کسی کے سفید دانت گستاخی کر رہے ہیں چمنوں کے درمیان سے نہریں گزرتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے سبز حمائل میں تلوار داخل ہو رہی ہے، اس چمن کے نواح اطراف میں ٹیلے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ صحیفۂ فطرت میں ایک دستِ قدرت صناعی کے نمونوں کی طرح سطر لکھ رہی ہے، پرندوں کی تصویریں پھلوں کے درخت کو منبر بناتے ہوئے اپنی تقریر دلپذیر میں مصروف ہیں۔

فطرت۔ ابن الساعاتی

والطل فی سلك الغصون كلؤلؤ	رطب يصافحه النسيم فيسقط
الطير تقرأ والغدير صحيفة	والريح تكتب والغمام ينقط

شبنم ڈالیوں کی مالا میں موتیوں کا نظارہ پیش کرتی ہے جو بادِ نسیم کے آنے اور مصافحہ کرنے میں زمین پر گرتے ہیں۔ بوندیں پڑ رہی ہیں اور تالاب صحیفۂ قدرت کا کام دے رہا ہے۔ ہوا لکھ رہی ہے اور ابر نقطے دے رہا ہے۔

پہیلیاں

تربوز۔ ابن التعاویذی

حلوة الريق حلال	دمه فی كل مله
نصفها بدر وان قسمتها	صارت اهله

شیریں لب ہے اس کا خون ہر ملت میں جائز ہے۔ نصف کرو تو چاند اور ٹکڑے کرو تو ہلال۔

ترازو۔ امیر تمیم

وما يصدق بلا نطق ولا فهم	برا صين مبين صامت حكم
يقضی وليس له سمع ولا بصر	وترتضيه الورى طوا اذا اختصموا

ایک سچا ہے جو بول سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے نیک ہے، امین ہے۔ خاموش ہے لیکن فیصلہ کن حکم سناتا ہے۔ فیصلہ کرتا ہے لیکن نہ اس کا کان ہے نہ آنکھ پھر لطف یہ ہے دنیا اس کے فیصلہ کو منظور کرتی ہے۔

کتاب۔

لنا جلساء لا نمل حديثهم	البار مامونون غيبا ومشهدا

ہمارے چند ہم نشین ہیں جن کی باتوں سے طبیعت اکتاتی ہی نہیں۔ عقلمند ہیں۔ ایسے دوست

ہیں جو غیاب و حضور میں کبھی غیبت نہیں کرتے۔

قفل ۔ البھا ۔ زہیر سنہ ۶۵۶ھ

واسود عار البخل البرد جسمه   وما نال من اوصافه الحرص والمنع

واعجب شیء کونه الدهر حارسا   ولیس له عین ولیس له سمع

ایک سیاہ برہنہ لاغر بدن اور جس کا بڑا اصول کسی کو نہ دینا ہے۔ سب سے تعجب خیز یہ ہے کہ ہمیشہ وہ نگہبانی کی خدمت انجام دیتا ہے لیکن نہ اس کا کان ہے نہ آنکھ۔

حکیمانہ کلام ۔ جاہلیت میں اگرچہ بظاہر حکیمانہ کلام خال خال ملتا ہے، لیکن جو کچھ بھی ہے نہایت سادہ موثر اور واقعات کی تشریح ہوتی ہے۔

طرفہ بن عبد ۔ عزیزوں کا ظلم ۔

وظلم ذوی القربیٰ اشد مضاضة   علی المرء من وقع الحسام المهند

قرابت والوں کا ظلم انسان کے لیے تیغ ہندی سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔ زمانہ خود مؤدب و معلم ہے۔

ستبدی لك الایام ماکنت جاهلا   ویاتیك بالاخبار من لم تزود

صحبت کا اثر

عن المرء لا تسئل وسل عن قرینه   فکل قرین بالمقارن یقتدی

آدمی کا کیریکٹر معلوم کرنا ہے تو وہ کن کن کے ساتھ رہتا ہے معلوم کرو۔ دوست کا کیریکٹر ہی انسان کے کیریکٹر کا آئینہ ہو سکتا ہے۔

زہیر ۔ بڑھاپے سے بیزاری

سئمت تکالیف الحیاة ومن یعش   ثمانین حولا لا ابالك یسأم

زندگی کی تکالیف سے بیزار ہو گیا ہوں اور جو شخص اسی سال کی عمر کا ہو اس کو بیزار ہونا ہی چاہیے۔

آئندہ کی خبر نہیں ۔

واعلم ما فی الیوم والامس قبله   ولکننی عن علم ما فی غد عم

موت کا نشانہ لگانا ۔

رأیت المنایا خبط عشواء من یصب   تمته ومن یخطئ یعمر فیهرم

دنیا سازی کی ضرورت ۔

ومن لا یصانع فی امور کثیرة   یضرس بانیاب ویوطأ بمنسم

عزت کی حفاظت کے لیے پیسہ خرچنا

من یجعل المعروف من دون عرضه　　یفره من لا یتق الشتم یشتم

غیر مستحق پر احسان کرنا۔

ومن یجعل المعروف فی غیر اهله　　یکن حمده ذما علیه ویندم

اپنے ناموس کی حفاظت کرنا۔

ومن لا یذد عن حوضه بسلاحه　　یهدم ومن لا یظلم الناس یظلم

خود اپنی آپ عزت کرنا

ومن یغترب یحسب عدوا صدیقه　　ومن لا یکرم نفسه لا یکرم

انسان کے خصائل چھپ نہیں سکتے۔

ومهما تکن عند امرئ من خلیقة　　وان خالها یخفی علی الناس یعلم

اسلام کے بعد تو اخلاقی اور حکیمانہ شاعری کو بہت عروج ہوا۔ کیونکہ اسلام نے خود بہترین اخلاق کا درس دیا اس کے بعد عام فلسفہ اور اخلاقی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔ مختلف نظریے رائج ہوئے۔ اس سے شاعری بھی محروم نہ رہ سکی۔

شاعر　ومن یک ذا فم مر مریض　　یجد مرا به الماء الزلالا

بحتری۔ زخم کے فساد کا سبب طبیب کی بے پروائی ہے۔

اذا ما الجرح رم علی فساد　　تبین فیه اهمال الطبیب

دیگر۔　جس کام کے توڑنے پر مخالف کمربستہ ہو وہ پورا نہ ہوگا۔

متی یبلغ البنیان یوما تمامه　　اذا کنت تبنیه وغیرك یهدم

متنبی۔ زہر سے بچنے کا علاج زہر نہیں ہے۔

الیك فانی لست ممن اذا اتقی　　عضاض الافاعی نام فوق العقارب

متنبی۔ بعض وقت خفگی کا نتیجہ مفید ہوتا ہے۔

لعل عتبك محمود عواقبه　　وربما صحت الاجساد بالعلل

شاید کہ تیری ناراضگی کا انجام بہتر ہو۔ اکثر بیماری باعث شفا ہو جاتی ہے۔

بحتری۔ بغیر صحیح راستہ اختیار کیے منزل مقصود تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

ترجو النجاة ولم تسلك مسالکها　　ان السفینة لا تجری علی الیبس

بغیر صحیح راستہ اختیار کیے نجات کی امید کرتا ہے۔ خشکی پر جہاز نہیں چل سکتا۔

ایک اسدی۔ دنیا میں نام پیدا کرنا آسان نہیں۔

لاتحسب المجد تمرا انت آکله — لن تبلغ المجد حتی تلعق الصبرا

بزرگی کھجور نہیں کہ مزے سے کھاؤ گے جب تک ایلوا نہ چاٹو بزرگی حاصل کرنا مشکل ہے۔

لامیۃ العجم۔ سفر وسیلہ ظفر ہے (مؤید الدین الاستاد العمید ابو اسمٰعیل الحسین بن محمد الطغرائی المقتول ۵۱۳ھ)

ان العلا حدثتنی وھی صادقۃ — فیما تحدث ان العز فی النقل

لوکان فی شرف الماوی بلوغ منی — لم یبرح الشمس یوما دارۃ الحمل

بلندیوں نے مجھے یہ حدیث سنائی اور بلندیاں بالکل سچ کہتی ہیں کہ عزت نقل و حرکت میں ہے

اگر ایک ہی جگہ رہنے سے شرف حاصل ہو سکتا تو آفتاب برج حمل کو کبھی نہ چھوڑتا

اہل علم کے ساتھ زمانہ کا برا سلوک

اھبت بالحظ لوناديت مستمعا — والحظ عنی فی الجھال فی شغل

میں نے خوش بختی کو آواز دی کاش کہ وہ سنتی اس کو فرصت کہاں وہ تو جاہلوں کے پاس مصروف ہے۔

امید پر دنیا قائم ہے۔

اعلل النفس بالامال ارقبھا — ما اضیق العیش لولا فسحۃ الامل

امیدوں سے جی بہلاتا ہوں۔ واقعی اگر امیدوں کا سہارا نہ ہوتا تو دنیا کتنی تنگ معلوم ہوتی۔

کمینوں کی حکومت۔

ماکنت اوثر ان یمتد بی زمنی — حتی اری دولۃ الاوغاد والسفل

مجھے یہ خواہش نہیں کہ میں اور دن دنیا میں زندہ رہ کر کمینوں کی حکومت کے دن دیکھوں۔

نااہلوں کی قابل افراد کے عوض قدردانی۔

تقدمتنی اناس کان شوطھم — وراء خطوی ولو امشی علی مھل

فان علانی من دونی فلا عجب — لی اسوۃ بانحطاط الشمس عن زحل

ایسے لوگ جن کی تیز رفتاری بھی میری معمولی چال کا مقابلہ نہیں کرتی، مجھ سے آگے نکل گئے اگر مجھ سے کم درجہ کے لوگ مجھ سے اعلیٰ مراتب حاصل کرلیں تو کیا تعجب ہے مجھے زحل کے بلند اور آفتاب کے نیچے ہونے سے اچھا سبق حاصل ہو سکتا ہے۔

کسی شخص پر اعتماد نہ کرنا چاہیے

اعدی عدوك ادنی من وثقت به — فحاذر الناس واصبحهم علی دخل

فانما رجل الدنیا وواحدها — من لایقول فی الدنیا علی رجل

سب سے زیادہ دشمن وہ ہے جس پر تو پورا بھروسہ کرتا ہے اس لیے ہمیشہ محتاج زندگی بسر کر۔ بے شک دنیا میں بے نظیر آدمی وہی ہے جو دنیا میں کسی پر بھروسہ نہ کرے۔

دنیا کی بے ثباتی۔

ترجوا البقاء بدار لاثبات لها — فهل سمعت بظل غیر منتقل

ایسے گھر میں بقا کی امید کرتا ہے جو فانی ہے کیا سایہ بھی قائم رہتا ہے۔

شریفانہ اخلاق۔ ابو العتاہیۃ

احب الفتی ینفی الفواحش سمعه — کان بہ عن کل فاحشة وقرا

سلیم دواعی الصدر لاباسطا اذی — ولامانعا خیرا ولاقائلا هجرا

اذا شئت ان تدعی کریما مکرما — ادیبا ظریفا عاقلا ماجدا حرا

اذا ما اتت من صاحب لك زلة — فکن انت محتالا لزلته عذرا

میں ایسے جوان مرد سے محبت کرتا ہوں جس کے کان بری باتوں سے آشنا نہیں گویا کہ بری باتوں کے لیے جس کے کان بہرے ہیں۔ اس کے سینہ میں کسی کے متعلق کوئی خلش نہیں نہ کسی کو تکلیف دیتا ہے نہ اچھے کام سے ہاتھ روکتا ہے اور نہ فضول بکواس کرتا ہے اگر تو چاہے کہ دنیا تجھے کریم، معزز ادیب، ظریف، عقلمند، بزرگ اور شریف مان لے تو جب کبھی کسی سے لغزش ہو جائے تو ان کے لیے تو خود ہی عذر تلاش کرنے کی کوشش کر تاکہ تیرا حلقۂ احباب وسیع ہوتا جائے اور تیری ہر دلعزیزی بڑھتی جائے۔

شوقی۔ نوجوانوں سے خطاب

یاشباب الغد وابنای الغدا — لکم اکرموا عزز بالفدا

عصرکم حر و مستقبلکم! — فی یمین اللہ خیر الامنا

لاتقولوا حطنا الدهر فما! — هو الا من خیال الشعرا

هل علمتم امة فی جهلها — ظهرت فی المجد حسنا الردا

نحن والعلم علی اعلامه — واطلبوا الحکمة عند الحکماء

واحکموا الدنیا بسلطان فما خلقت نظرتها للضعفا

اے مستقبل کے نوجوانو! میرے بیٹے تم پرندا، تمہارا زمانہ آزادی کا زمانہ ہے اور تمہارا مستقبل مبارک و میمون ہے۔ یہ مت کہو کہ ہم کو زمانہ نے پست کر دیا ہے۔ یہ صرف شاعروں کا خیال ہے۔ کیا ایسی قوم سے واقف ہو جس نے باوجود جاہل رہنے کے ترقی کی ہو۔ مشاہیر علماء سے علم حاصل کرو اور حکیموں سے حکمت سیکھو۔ دنیا پر اقتدار اعلیٰ کے ساتھ حکومت کرو۔ دنیا کی تازگی سے مستفید ہونے کا حق ضعیفوں کو نہیں ہے

بازیچۂ اطفال ہے دنیا میرے آگے۔ شوقی

اناس کما قدری ودنیا بحالها ودهر دخی تارة وعسیر

واحول خلق غابر متجدد تشابها فیها اول واخیر

تمر تباعا فی الحیاة کانها ملاعب لاترجی لهن ستور

وحرص علی الدنیا ومیل مع الهوی وغش وافك فی الحیاة وزور

لوگوں کی حالت سے تم واقف ہو۔ دنیا بھی اپنی حالت پر قائم ہے۔ ایک وقت تنگی کا آتا ہے ایک وقت فراخی کا۔ دنیا کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ ایک حالت گزر جاتی اور دوسری پیدا ہوتی ہے۔ پے در پے زندگی کے وقائع اسی طرح ہوتے رہتے ہیں گویا کہ یہ تماشے ہیں جن کے لیے پردہ سینما کی ضرورت نہیں۔ دنیا پر حرص، خواہشات کی اتباع، دھوکا دینا اور جھوٹ ہی زندگی کی کائنات ہے۔

متنبی۔

اذا انت اکرمت الکریم ملکته وان انت اکرمت اللئیم تمردا

ووضع الندی فی موضع السیف بالعلاء مضر کوضع السیف فی موضع الندی

اگر تو شریف کی عزت افزائی کرے گا تو وہ تیرا ممنون ہو کر اطاعت بردار ہو جائے گا اور اگر کسی کمینہ کی حوصلہ افزائی کی تو وہ سرکش ہو جائے گا۔ جہاں تلوار کی ضرورت ہے وہاں حلم کا استعمال اتنا ہی مضر ہے جتنا کہ حلم کے موقع پر سختی و تلوار کا استعمال۔

اخلاق۔ صالح بن عبد القدوس (مہدی نے اس کو الحاد کے الزام میں قتل کیا)

ادا لامانة والخیانة فاجتنب واعدل ولا تظلم یطیب المکسب

واحذر من المظلوم سهما صائبا واعلم ان دعاءه لا یحجب

واحذر مواخاة الدنی لانه یعدی کما یعدی الصحیح الاجرب

ودع الكذب ولا يكن لك صاحباً ان الكذب لبئس خلا يصحب

وزن الكلام اذا نطقت ولا تكن ثرثارة فى كل ناد تخطب

واحرص على حفظ القلوب من الأذى فرجوعها بعد التنافر يصعب

ان القلوب اذا تنافر ودها شبه الزجاجة كسرها لا يشعب

امانت کو ادا کر اور خیانت سے اجتناب کر، عدل کو لازم رکھ کامیاب رہے گا۔ مظلوم کی دعا کے تیر سے بہت ہوشیار رہ کیونکہ اس کی دعا کو عرش تک پہنچنے میں رکاوٹ نہیں۔ ذلیل کی دوستی سے بچتا رہ کیونکہ وہ خارش کی طرح متعدی ہے۔ کبھی جھوٹے سے دوستی نہ کر جھوٹا بہت ہی خراب دوست ثابت ہوا ہے۔ زبان پر قابو رکھ اور بولنے میں احتیاط رکھ۔ آدمی زبان ہی سے سلامت رہتا ہے اور اسی سے تباہ ہوتا ہے۔ تول پھر بول، فضول گومت بن جیسا خیال میں آیا بک دیا۔ مردم آزاری سے بہت بچتا رہ۔ جو دل تجھ سے ناراض ہو پھر اس کا منا مشکل ہے۔ دل بے شک تنگ دلی کے نقطۂ نظر سے کانچ ہے جہاں اس پر بال آیا تو پھر اس کا جڑنا ناممکن ہے۔

عین الرضا۔ عبد اللہ بن معاویہ بن عبد بن جعفر المتوفی ۱۳۲ھ

وعين الرضى عن كل عيب كليلة

كما ان عين السخط تبدى المساويا

رضامندی کی آنکھ ہر عیب سے کند ہے جیسے کہ نارضامندی کی آنکھ برائیوں کا اظہار کرتی رہتی ہے۔

زندگی ایک اسٹیج ہے۔

النوم موت اصغر والموت نوم اكبر

دنيا تشابه ملعبا والليل ستر يستر

جند هناك وسوقه ومتوج ومسخر

فاذا طرحت ثيابهم نادى الاعز الاحقر

نیند چھوٹی سی موت ہے اور موت ایک بڑی نیند کا نام ہے۔ دنیا ایک تماشا گاہ ہے اور زمانہ ایک پردہ تماشا ہے۔ کوئی فوجی ہے کوئی عہدہ دار ہے۔ کوئی صاحب تاج ہے اور کوئی محکوم ہے۔ اگر عریاں حقیقت دیکھیں تو نہ کوئی بڑا ہے نہ کوئی چھوٹا۔

لبتی۔ ابو الفتح المتوفی ۴۰۱ھ

زيادة المرء في دنياه نقصان | وربحه غير محض الخير خسران
يا عامر الخراب الدهر مجتهداً | بالله هل لخراب العمر عمران
دع الفؤاد عن الدنيا وزينتها | فصفوها كدر والوصل هجران
احسن الى الناس تستعبد قلوبهم | فطالما استعبد الانسان احسان
يا خادم الجسم كم تسعى لخدمته | اتطلب الربح مما فيه خسران
اقبل على النفس فاستكمل فضائلها | فانت بالنفس لا بالجسم انسان
واشدد يديك بحبل الله معتصما | فانه الركن ان خانتك اركان
دع التكاسل في الخيرات تطلبها | فليس يسعد بالخيرات كسلان

انسان دنیا میں جتنی ترقی کر رہا ہے در اصل وہ اس کا نقصان ہو رہا ہے کیونکہ بجز افعال نیک کے باقی ہر قسم کا فائدہ، نقصان ہی نقصان ہے۔ اے وہ شخص جو دنیا کے ویرانے کو آباد کر رہا ہے۔ کیا عمر کے تباہ شدہ حصہ کی بھی آبادی کا بھی خیال ہے۔ دنیا اور دنیا کی زینت کو چھوڑ دے۔ بظاہر، صفائی کدورت اور وصال کا نتیجہ فراق کا پیغام ہے۔ لوگوں کی طرف احسان کرو وہ تیرے بے دام غلام بن جائیں گے۔ ہمیشہ سے انسان احسان کا غلام ہے۔ نفس پر توجہ کر اور اس کے فضائل مکمل کرنے کی کوشش کر۔ کیونکہ تو نفس سے انسان ہے نہ کہ خاکی جسم سے۔ خدا کے رشتہ کو پکڑ رکھ کیونکہ وہ ایسا سہارا ہے جب دوسرے سہارے کام نہ آئیں گے۔ وہ کام آئے گا۔ نیک کاموں میں سستی چھوڑ دے۔ سست آدمی کبھی نیکی حاصل نہیں کر سکتا۔

ابن تلاقش المتوفی ۵۶۵ھ

سافر اذا ما شئت قدرا | سار الهلال فصار بدرا
والماء يكسب ما جرى | طيباً ويخبث ما استقرا
وبنقلة الدرر النفيسة | تبدلت بالبحر نحرا

اگر تجھے قدر دانی کی خواہش ہے تو سفر کر ہلال نے سفر کیا ماہ کامل بن گیا۔ پانی جب تک بہتا رہا اچھا رہا اور اگر ایک جگہ جمع رہا تو متعفن ہو جاتا ہے۔ نفیس موتی نے وطن کو چھوڑا تو سمندر کی تہ کی بجائے سینہ پر رونق افروز ہوا۔

مفتی فضیلۃ الشیخ حسنین محمد مخلوف

اسلام میں سنّت نبوی کا مقام

مترجم ۔ سیف الرحمٰن بی ۔ اے

سابق مفتی دیار مصر فضیلۃ الشیخ حسنین محمد مخلوف کا فتوٰی اسلام میں سنّت نبوی کا مقام نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم سُنّتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کی شمع فروزاں سے بے اعتنائی کر کے کبھی جادۂ مستقیم پر گامزن نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ قرآن پاک کی ہدایت کے خدوخال کی نشانہی کی۔ اگر ہم سنّت نبوی کو یہ کہہ کر ترک کر دیں کہ ہمیں کتاب مقدس کی ہدایت کے ہوتے ہوئے کسی اور ہدایت یا رہنمائی کی ضرورت نہیں تو سخت غلطی ہے جو سراسر گمراہی کا موجب ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی واُمّی کی تعلیمات اور قرآن کریم کی تعلیمات دونوں الٹ زیٹ اور متضاد نہیں جن کا اجتماع ناممکن ہو بلکہ دونوں کی تعلیمات اور ہدایت حقیقتاً ایک ہی ہے۔

کیونکہ سُنّت نبوی کو قرآن کریم سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا اور جو کچھ فرمایا وہ کتاب اللہ کی روشنی میں فرمایا۔ اس امر کی خود قرآن کریم شہادت دیتا ہے۔

وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ

؎ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اندریں حالات سنّت نبوی کی پیروی، کتاب الٰہی کی پیروی اور سنّتِ نبوی کا انکار کتاب اللہ کے انکار کے مترادف ہے۔ دونوں کی پیروی کے مجموعہ کا نام اسلام ہے اگر دونوں میں کسی ایک کو ٹھکرا دیں تو ہم اسلام کے جادۂ مستقیم سے کوسوں دور ہو جائیں گے اور ضلالت کے گڑھے میں جا گریں گے۔

بعض لوگوں نے ائمہ کی تقلید کے جال میں پھنس کر سنّت نبوی کو ٹھکرا دیا اور کہا کہ ہمارے امام صاحب اس حدیث کو بہتر جانتے تھے۔ جب انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا تو ہم کیسے کریں۔ درحقیقت یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا انکار اور سنت نبوی سے روگردانی ہے۔ ان کی قیامت کے روز آنکھیں کھلیں گی۔ جب یہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمانوں کے زمرہ میں شامل کئے جائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ الٰہی! یہ میرے اُمتی کہلانے والے تیری مقدس کتاب اور میری سُنت کو پس پشت پھینک کر اپنے علماء اور صلحاء کی پیروی میں مگن رہے۔

اس طرح بعض لوگوں نے یہ کہہ کر سنت نبوی سے منہ موڑ لیا کہ آج چودہ سو سال کا ایک طویل عرصہ گذر جانے کے بعد ہمیں کیسے معلوم ہو کہ یہ حدیث تاجدار مدینہ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہے۔ یہ کام سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے کیا اور کرنے کو فرمایا۔ اس کے برعکس قرآن کریم محفوظ ہے اور قطعی الثبوت، اس میں شک و شبہات کی گنجائش نہیں اس میں تغیر و تبدل کی جرات نہ کسی ہوئی اور نہ ہوگی۔ بریں وجہ ہم قرآنِ پاک پر عمل کرتے ہیں اور حدیث کی پیروی واجب نہیں سمجھتے۔ حدیث ظنی ہے یہ شکوک و شبہات سے بالاتر نہیں۔

دراصل یہ لوگ منکرین حدیث ہیں جو مختلف قسم کے بھیس بدل کر عوام کے سامنے آتے رہتے ہیں ائمہ حدیث نے اپنے اپنے وقت میں ان کو مدلل اور مسکت جواب دے خاموش کر دیا اور بتایا کہ قرآن کریم کی پیروی سُنت نبوی کی پیروی کے بغیر ناممکنات میں سے ہے اور سنت نبوی کی پیروی حقیقتاً" قرآن کریم کی پیروی ہے۔ بلکہ قرآن پاک اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء)

آج پھر ایک طبقہ انکار حدیث اور انکار سُنت نبوی کے لئے بہانے تراش رہا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ دنیاوی افسروں اور حکام کی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک حیثیت سے آپ پیغمبرانہ عہدہ جلیلہ پر فائز تھے۔ اس لحاظ سے آپ کے احکام کی پیروی اللہ کی پیروی ہے۔ اور دوسری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی حیثیت تھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ملک اور معاشرہ کے رسم و رواج کے مطابق کچھ کام سرانجام دیئے۔ ان کی حیثیت بس ایک ملکی رواج سے زیادہ نہ ہوگی۔ ایسے امور کو سنت کا نام دینا اور سنت سُنت کہہ کر رد کرنا جہالت اور دیوانگی ہے ایسی سنتوں کی پیروی کوئی موجب ثواب نہیں اور ایسی سُنتوں کا ترک کرنا موجب گناہ نہیں۔

دراصل ان لوگوں کے ذہن میں انکار حدیث کا بھوت سوار ہے۔ اسی لئے وقتاً فوقتاً نئے نئے شگوفے کھلاتے رہتے ہیں۔ ورنہ ایک پختہ ذہن اور راسخ العقیدہ مومن ایسی باتیں کبھی ذہن میں لا ہی نہیں سکتا۔

ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی واقعی دو حیثیتیں تھیں تو پھر آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت کیوں نہ فرمائی؟ اگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو حیثیتوں کے قائل ہوتے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکات و سکنات تک کی پیروی میں عشق کی بازی کیوں لگاتے؟ پھر ہمارے پاس کونسا معیار ہوگا جس کی رو سے ہم یہ فیصلہ

کرسکیں کہ یہ حکم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبرانہ حیثیت سے فرمایا اور یہ حکم ملکی رسم ورواج کے مطابق ہے، یہ حکم حضور اکرم صلی اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے رسولِ خدا ہونے کی حیثیت سے فرمایا اور یہ حکم حضرت محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے دیا۔ یا یہ کام رواجی ہے اور یہ کام شرعی حیثیت کا حامل ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ سنت نبوی کے دشمن اسے ختم کرنے کے درپے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سنت نبوی کی شمع فروزاں کے محافظ ہر زمانہ میں بھیجتا رہا ہے اور قیامت تک یہ شمع یونہی فروزاں رہے گی۔ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔

چنانچہ درج ذیل فتویٰ میں محترم جناب حسنین محمد مخلوف سابق مفتی دیار مصر نے سنت نبوی کے تارک کو خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ (سیف الرحمٰن بی۔اے)

اللہ تعالےٰ نے خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین اسلام دے کر مبعوث فرمایا۔ دین اسلام وہ دین ہے جس کے متعلق ارشاد خداوندی ہے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (اللہ کے نزدیک (قابل قبول) دین اسلام ہی ہے۔

نیز یہ اللہ تعالےٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالےٰ ہے وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ نیز فرمایا: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (آل عمران) جو شخص اسلام کے ماسوا کوئی اور دین تلاش کرے گا اس سے وہ دین ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں اسے خسارہ ہی خسارہ ہوگا۔

اللہ تعالےٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل فرمایا۔ یہ لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب ہے، اور روشنی ہے۔ اس میں ہدایت کے اور اسلام اور کفر میں امتیاز کرنے والے دلائل موجود ہیں۔ یہ کتاب الٰہی تدریج آہستہ آہستہ نازل ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے اس کے ذریعے اپنے دین کی تکمیل کر دی اور فرمایا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ) اور اپنی نعمت (قرآن کریم) تم پر مکمل بھیج دیا۔ اور اسلام کو تمہارے لئے بطور دین پسند کیا۔

اللہ تعالےٰ نے اس سے چمٹے رہنے کا حکم فرمایا۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (عمران) تم اللہ کے دین کو اکٹھے ہو کر مضبوطی سے تھام لو اور ٹولے ٹولے مت بنو۔

نیز اپنی اور اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ہر اس کام میں حکم دیا جو اس کی طرف اس کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا

الرسول (المائدہ) اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو۔
ایک اور مقام پر فرمایا۔ وَاِنْ تُطِیْعُوْا تَھْتَدُوْا وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ (النور) اگر تم اس (رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرو گے تو ہدایت یافتہ ہو گے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے تو صرف احکام الٰہی لوگوں تک پہنچانا ہے (رہا ہدایت کا معاملہ تو وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔
ایک اور موقع پر فرمایا مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا (النساء) جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے تو درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے منہ پھیر لیتا ہے (تو کوئی بڑی بات نہیں) ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔
وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ یُدْخِلْہُ نَارًا خَالِدًا فِیْھَا وَلَہٗ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ (النساء) اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر کمر بستہ ہو جاتا ہے اور اس کی (مقرر کردہ) حدود سے تجاوز کرتا ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ میں داخل کرے گا اور اس میں سے باہر آنے کی امید ہرگز نہیں ہو گی بلکہ اس میں ہمیشہ اور ابدالاباد کے لئے رہے گا (پھر وہاں پر کوئی آرام و آسائش کا سامان نہیں میسر ہو گا بلکہ) ذلیل اور رسوا کرنے والے عذاب میں بند ہو گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اس وقت ثابت ہوتی ہے۔ جب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر کی پیروی کریں۔ آپ کی منہیات سے باز رہیں اور آپ کے اقوال و افعال کی پوری پوری پیروی کریں۔
کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال وحی الٰہی کے ماتحت سرزد ہوتے ہیں۔ جیسے فرمان ایزدی ہے۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم) یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تکلم اور گفتگو ہمیشہ وحی الٰہی کے مطابق ہوتی تھی۔
اسلامی شریعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور اوامر و نواہی کو اصولِ ثانی کی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ پہلا بنیادی اصول کتاب الٰہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تدریجاً کلمہ کلمہ اور آیت آیت کی شکل میں نازل ہوئی۔ اس لئے تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ اسلام ان دو اصولوں پر قائم ہے۔ جب تک ان دونوں پر ایمان نہ لایا جائے اور تمام حالات اعمال اور اعتقادات میں ان کو ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے اس وقت تک کسی کا ایمان درست نہیں ہو گا۔

مسلمانوں نے اس شخص پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے جو قرآن پاک کی کسی آیت یا کلمہ قرآن کا انکار کرتا ہے یا ایسی سنت کا انکار کرتا ہے جو پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہو۔ جیسے کوئی شخص سفر کے ماسوا عصر کی چار رکعت سنت کا انکار کرتا ہے اور جیسے کوئی عصر کی نماز میں قرأت بالجہر پر یقین رکھتا ہے حالانکہ یہ بات قطعی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ عصر کی نماز میں چار رکعت سنت ہیں اور اس کی فرض نماز میں قرأت سری ہے۔

بریں وجہ ہم نے یہ فتویٰ صادر کیا ہے کہ جو شخص رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کو خواہ قول ہو یا فعل جو قطعی الثبوت ہو، ترک کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ سنتوں کی حیثیت اسلام کے ثابت اور متحقق ہونے کے لئے اصول ثانی کی نہیں اور اس کو ترک کرنا جائز تصور کرتا ہے تو ایسا شخص بالاجماع دین اسلام سے خارج ہے اور اللہ کا نافرمان ہے۔ کیونکہ جہاں اس نے اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہاں اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو بھی لازم ٹھہراتا ہے۔

دین اسلام امت محمدیہ کے لئے انفرادی اور اجتماعی طور پر حق، ہدایت، علم، نور، فضیلت اور کمالات لے کر آیا اور اللہ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دین اسلام دے کر تمام روئے زمین کے لوگوں کے لئے جو قیامت تک ہونے والے ہیں مبعوث فرمایا۔ ایسے نبی کے احکام اور اوامر و نواہی کی تعلیم میں حیلہ سازی کرنا واضح گمراہی اور صریح کفر ہے۔ اس لئے ان دونوں اصولوں کی ترغیب دلانا ضروری ہے تاکہ لوگوں کو ان کا علم ہو جائے اور اسلام میں ان کا عقیدہ یہ ہو کہ یہ دونوں (قرآن و سنت) اسلام کے بنیادی اصول ہیں اور ان میں کوتاہی برتنے والے کو ہر ممکن طریقہ سے انتباہ کیا جائے تاکہ حق اور دین اسلام کا قیام ہو اور کفر، گمراہی اور فساد کی جڑ کاٹی جائے۔ اللہ ہی ان امور کی توفیق دینے والا ہے اور راہ راست کی ہدایت دینے والا ہے۔

اس عقیدہ کی نشر و اشاعت تمام اسلامی ممالک میں ضروری ہے۔ رہا ہدایت کا معاملہ تو وہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔

(فضیلۃ الشیخ حسنین محمد مخلوف سابق مفتی دیار مصر۔

ماخوذ از اخبار العالم الاسلامی بابت ۴ دسمبر ۱۹۷۸ء، عدد نمبر ۵-۶

تعارفِ کتب

کتاب الصلوٰۃ (مترجم) ابن القیم ترجمہ: مولانا عبدالرشید حنیف صفحات: ۲۸۰
قیمت ۱۵/- روپے پتہ: ادارہ علوم اسلامی۔ جھنگ صدر

نماز کے سلسلے میں حضرت امام ابن القیم متوفی ۷۵۱ھ کی خدمت میں ایک استفتاء آیا تھا کہ:
(۱) عمداً تارک نماز واجب القتل ہے یا نہ؟ (۲) اگر واجب القتل ہے تو کیا اس کا قتل، قتلِ مرتد یا کافر سمجھا جائے گا یا گنہگار مسلم کا قتل متصور ہوگا۔ (۳) اس سے سارے عمل اکارت ہوتے ہیں یا نہ۔ (۴) نماز قضا ہو جائے تو کیا قضا ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس کی کیا صورتیں ہیں (۵) تارک نماز کی جماعت کا کیا حکم ہے، ہوتی نہیں یا ہو جاتی ہے مگر مع الاثم؟ (۶) جماعت کے لیے مسجد شرط ہے؟ یا گھر میں بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ (۷) ٹھونگے مار کر نماز پڑھنے والے کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ (۸) جس ہلکی پھلکی نماز کی حضورؐ نے تلقین فرمائی ہے اس کی کیا شکل ہے؟ یہ سب کچھ حضورؐ کی نماز کے آئینہ میں دکھایئے اور بالکل یوں کر کے جیسے میں نے اس کا مشاہدہ کر لیا ہو!

حضرت امام ابنِ قیم نے ان امور کا تفصیلی جواب تحریر فرمایا ہے، اس کا انداز انتہائی بصیرت افروز وجد آفرین اور دلنشیں ہے، مگر یہ سارا جواب عربی میں تھا۔ فاضل نوجوان حضرت مولانا عبدالرشید حنیف جھنگوی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ انہوں نے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کر کے اردو خوان قاریوں پر خصوصی کرم کیا ہے۔ ترجمہ آسان، کافی حد تک بامحاورہ اور سلیس ہے۔ اسے ذیلی سرخیوں کے ساتھ آراستہ کر کے کتاب کو اور سہل بنا دیا ہے۔ جنہیں نماز اور آخرت عزیز ہے انہیں اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ موضوع گو علمی نوعیت کا ہے مگر امام عالی مقام کا بیان اور اسلوب ایسا ہے کہ زبان اُن کی اور بات میری' والی بات بن گئی ہے۔

ترجمہ بعض جگہ، ترجمہ تو رہتا ہے مگر مناسب ترجمانی کے لحاظ سے کہیں کہیں اس میں تشنگی محسوس ہونے لگتی ہے۔ امید ہے کہ مکرر اشاعت کے مرحلہ میں اس کی بھی تلافی کر دی جائے گی۔

(۲) نظام مصطفیٰ — مولانا عبدالرشید حنیف

صفحات: ۹۶ قیمت: ۶/- روپے پتہ: مذکور

اسلام کسی جزوی رہنمائی اور جزوی طرزِ حیات کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک جامع نظامِ زندگی ہے جو ہمہ گیر بھی ہے اور عالمگیر بھی، اس سلسلے میں جتنی اور جیسی کچھ کمی کا احساس ہوتا ہے وہ دراصل "اسلامی ضابطۂ حیات" کا نہیں بلکہ وہ "اہلِ اسلام" کی نادان دوستی کے تساہل کی کوکھ سے پیدا ہوا ہے اور مدتوں اس سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے خود ہم نے اسلام کو موردِ الزام ٹھہرانے کے لیے مواقع مہیا کیے ہیں۔ اسلامی نظامِ حیات کو کسی تجربہ کی بنا پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ اپنی بھونڈی اغراض کے نتیجے میں اسے چھوڑ کر اسے بدنامی کا ہم نے خود ہدف بنایا ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب کو لکھ کر مولانا عبدالرشید صاحب حنیف نے مندرجہ بالا کوتاہیوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔ اور یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ: اسلام ہر مرحلہ اور ہر شکل میں ہمیں ایسی رہنمائی مہیا کرتا ہے جو فطری بھی ہے اور کامیاب بھی، جامع بھی ہے اور قدرتی بھی۔ موصوف کی یہ کوشش گو "مشتِ نمونہ از خروارے" کی ایک صورت ہے تاہم اس عظیم اور بے کراں کائنات کو جھانکنے کیلئے ایک "روزنِ دیوار" کا کام ضرور دیتی ہے اس کے مطالعہ سے قاری کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ: اسلامی تعلیمات کتنی پاکیزہ، وقت اور حالات سے کس قدر ہم آہنگ، عصری تقاضوں اور قدرتی تغیرات کا کتنا قدرتی حل ہے۔

یہ کتاب آئین اور قانون کی زبان میں تحریر نہیں کی گئی، بلکہ اس کا انداز تبلیغی، مصلحانہ اور تقریباً جذبی ہے اس لئے اس کا مطالعہ کرتے وقت اس کو ضرور سامنے رکھیں۔

۳۔ ثعلب بن حاطب مع قیام تنظیمی کی شرعی حیثیت — مولانا عبدالرشید حنیف

صفحات ۴۸

قیمت ۵۰ – ۲

پتہ مذکور

ثعلب بن حاطب دو ہیں، ایک ثعلب بن حاطب بن ابی بلتعہ بدری اور دوسرا ثعلب بن حاطب انصاری بعض نے دونوں کو بدری شمار کیا ہے اور آیت: منهم من عٰهَدَ اللّٰهَ کا مصداق ٹھہرایا ہے، مگر مؤلف موصوف کو اصرار ہے کہ پہلے صاحب بدری ہیں اور دوسرے بدری نہیں ہیں بلکہ منافقین مدینہ میں سے ایک منافق ہیں اس پر مؤلف نے جو دلائل مہیا کئے ہیں ان سے بھی موصوف کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ علم و تحقیق اور تاریخ کے طلبہ کے لئے اس رسالے کا مطالعہ خاصا مفید رہے گا۔ ان شاء اللہ

Regd. No. L. 7895 Phones : 852897 - 63210

Monthly **MOHADDIS** Lahore-16

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

★ عناد اور تعصّب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں ——— لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمّت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

★ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی اِرتقا کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں ——— لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمّت کی تباہی کا سبب ہے۔

★ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے ——— لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیّت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

★ تبلیغِ دین اور نشر و اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیّہ کے خلاف ہے ——— لیکن حرام و حلال کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی رُوح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

★ آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے ——— لیکن

ع جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

★ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے ——— لیکن جاہلیّت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔



اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو:

مُحدّث

کا مطالعہ فرمائیے۔ آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزیّن پائیں گے ان شاء اللہ۔ کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

زرِ سالانہ ۱۵ روپے فی پرچہ ۱/۵۰ روپے